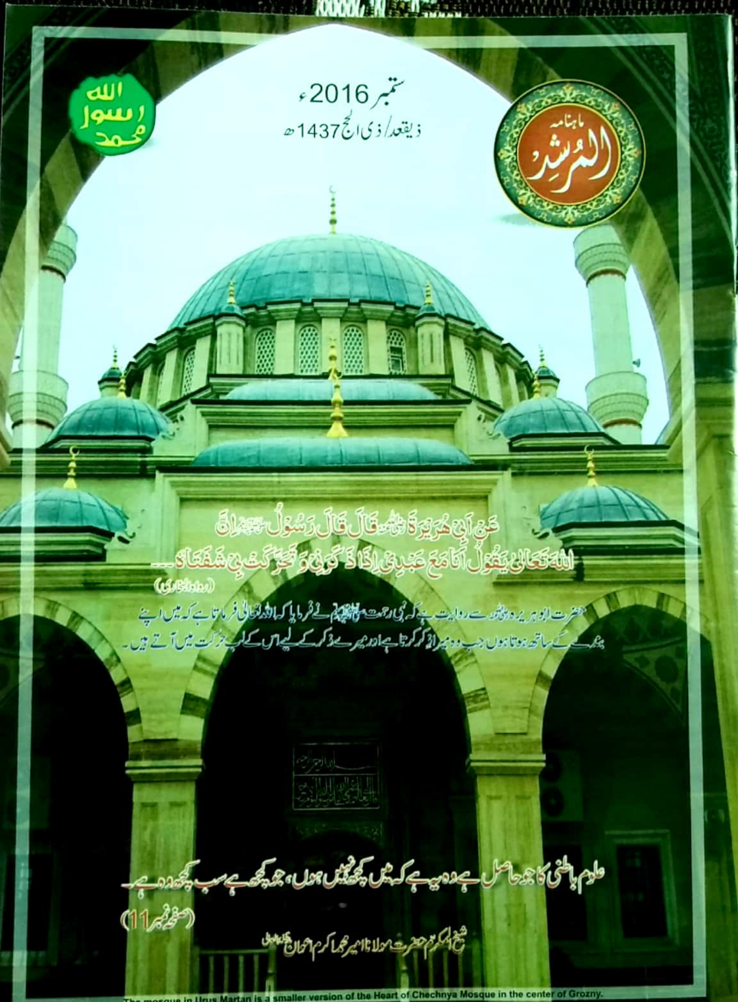

ماہنامہ
المرشد

ستمبر 2016ء

ذیقعد/ذی الحج 1437ھ

اللہ
رسول
محمد

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللہ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَ تَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ ۔۔۔
(رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے ذکر کے لیے اس کے لب حرکت میں آتے ہیں۔

علوم باطنی کا جو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں، جو کچھ ہے سب کچھ وہ ہے۔

(صفحہ نمبر 11)

شیخ المکرم حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

The mosque in Urus Martan is a smaller version of the Heart of Chechnya Mosque in the center of Grozny.

تصوف

تصوّف کیا ہے

اسلام پر قائم رہنے کے لیے بنیادی شرط اللہ کی عظمت و بڑائی کو دل کی گہرائیوں میں سمولینا ہے۔ اس کا واحد طریقہ احترامِ نبوّت ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے ادب کا پاس رکھنا ہے۔

ہم مسلمان اللہ کو عظیم مانتے ہیں۔ ہم اس کی عظمت کے ترانے گاتے ہیں۔ ہم نبی کریم ﷺ کا نامِ نامی سن کر باادب ہو جاتے ہیں اور کمانے کھانے میں ناجائز ذرائع بھی استعمال کرتے ہیں۔ معاشرت میں نسلی، قومی، لسانی برتری کے بھی قائل ہیں۔ معاملات میں حق سے زائد لینا اور دوسروں کے حقوق چھین لینا بھی ہمیں روا ہے۔

اسلام کی بنیادی شرائط تو ہماری عملی زندگی سے غائب ہیں۔ اس خرابی کا قرآن وسنت میں کیا علاج تجویز کیا گیا ہے؟ یہی کہ اپنے دل کو اس قابل بناؤ کہ یہ اللہ کی عظمت اور رسول ﷺ کے ادب کا پاس رکھ سکے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ دونوں چیزیں ہمہ وقت نصیب تھیں اسی لیے وہؓ قرآن کے مثالی مسلمان ہیں۔ صحابہؓ کو یہ دولت نبی کریم ﷺ کی صحبتِ عالی سے ملی۔ دین کے احکام اور دین کی کیفیات دونوں یکجا نصیب ہوئیں۔ بعد میں آنے والوں کے لیے صحبتِ اولیاء اور ذکرِ الٰہی سے دل کی استعداد کو اُجاگر کرنا لازمی ٹھہرا۔

دل کی استعداد کو بحال کرنا تصوّف/تزکیہ کا راستہ ہے۔ تصوّف عشق ہے جو قوتِ عمل دیتا ہے۔ جسے عشق ہو جائے وہ سراپا اطاعت بن جاتا ہے۔ عشقِ ربانی تعلیمات سے نہیں سکھایا جاتا۔ یہ عشق کرنے والوں کے پاس بیٹھنے سے از خود ہو جاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان ؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ستمبر 2016ء ذیقعد / ذی الحج 1437ھ

جلد نمبر 38 شمارہ نمبر 1

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن مینیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقِ وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقہ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
علوم باطنی کا حاصل	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	14
اکرم التفاسیر سورہ سبا آیات 10 تا 17	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	20
سوال و جواب	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	30
خانہ کعبہ کی تعمیر نو اور چند دعائیں	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	37
خواتین کا صفحہ	"سیر الصحابیات" سے ماخوذ	42
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	44
توبہ کا بیان	مولانا فخر الدین احمد صدیقی	45
مسائی جمیلہ	حکیم مولانا محمد الیاس، کراچی	48
طب، انار	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	51
Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(Rau	57

انتخاب جدید پریس لاہور 36309053-042 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph: 042-35180381
Mob:0303-4409395' Email:monthlyalmurshed@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع
یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

مرکزی دفتر: دار العرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, Fax:0543-562198 Email:darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ .... اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ (سورۃ البقرہ: 77-79)

فرمایا یہ اس قدر بودی عقل کے مالک ہوئے ہیں کہ یہ نہیں جان رہے کہ تم جس ربّ سے چھپانا چاہتے ہو وہ تو ایسا قادر ہے کہ اس کا علم اس قدر مکمل اور جامع ہے کہ تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ وہ ہر حال میں جانتا ہے۔

یہ سب اثرات قساوت قلبی کے ہیں کہ جب دل سیاہ ہو کر سخت ہو جاتا ہے تو جسم سارے کے سارا غلط سمت کو چل نکلتا ہے، ہاتھ پاؤں ہی نہیں بلکہ دماغ تک اُلٹی سمت رواں ہو جاتے ہیں اور عقل اندھی ہو جاتی ہے، نہ صرف انسانوں سے بلکہ اللہ سے بھی دھوکا کرنے کی سعی ہوتی ہے حالانکہ یہ کتنی موٹی بات ہے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور اس سے کچھ چھپانا ممکن ہی نہیں مگر یہ بات بھی عقل میں نہیں آتی بلکہ لوگ دو طرح سے بن جاتے ہیں۔ جیسے آگے یہود کے دو طبقوں کے حالات ارشاد ہوتے ہیں کہ ایک طبقہ تو ان میں ناخواندہ اور جہلاء کا ہے لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ جو اللہ کی بات کی عزّت، عظمت اور برکات سے ناآشنا ہیں اور محض اپنی خواہشات کی تکمیل کے حیلوں کو مذہب کا درجہ دے رکھا ہے اور وہ اپنے زعم میں تو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی اُن کا وہم ہی ہے، حقیقتاً وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ تو سادہ سی بات ہے کہ جب ان کے دل سے اللہ کی کتاب کی عظمت گئی، اللہ کی بارگاہ سے ان کی عزّت ختم ہوگئی اور کوئی حیثیت نہیں رہی۔

دوسرے وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں جو کتاب اللہ کی آیات بدل دیتے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے لکھ لیتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ غرض روپیہ بٹورنا اور ذاتی وقار کو قائم رکھنا ہے۔ مثلاً اسی موضوع پر کہ آپ ﷺ کی وہ تعریف جو اُن کے ہاں مذکور ہے اپنی قوم کو نہیں بتاتے۔ پھر حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیتے ہیں محض حیلے بہانے کر کے کہ غرض اصلی دُنیا ہے دین نہیں ہے تو ان پر دوہری مار پڑ گئی۔ ایک کلامِ الٰہی میں تحریف کرنے اور دُوسرے لوگوں کا مال ناجائز طریقے پر کھانے کی۔

یہی حال ہمیشہ سے علمائے سُو کا رہا ہے کہ کتابیں پڑھتے ہیں مگر دِل اندھے رہتے اور پھر مقصدِ حیات بدل جاتا ہے کہ رضائے باری کی جگہ حصولِ دنیا لے لیتی ہے اور ان کا علم چند ٹکوں کے عوض بکتا رہتا ہے، یہاں تک کہ غلط سلط مسائل گھڑتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتے۔

اداریہ

ضحیٰ

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۃ الکوثر:2) تو آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کریں اور قربانی دیا کریں۔
لفظ ''ضحیٰ'' کا معنی دن کا پہلا پہر کے ہیں، ''عید'' وہ خوشی کا دن جو بار بار آئے، ''قربانی'' دوسرے کے نفع کی خاطر اپنے نفع کو تج دینا ''خلیل'' یارِ صادق، سچا دوست۔ عیدالضحیٰ یعنی وہ مخصوص دن کا پہلا پہر جس میں خالق نے بندے کا اپنا سب کچھ قربان کرنا قبول فرمالیا۔ لفظ قربانی محض حروف کا مجموعہ نہیں بلکہ فلسفۂ حیات ہے اور ایسی نایاب دولت ہے کہ لٹانے میں منافع ہے۔

دنیا جہاں عالم اسباب ہے وہیں خواہشات کا مجموعہ بھی ہے اور خالق تک رسائی کے بغیر خود مخلوق کا مخلوق کو سمجھنا محال ہے چہ جائیکہ مقصدِ تخلیق کو سمجھا جائے اللہ رب العالمین کا انبیاء و رسل کو مبعوث فرمانا خلق کو تمام الجھاؤ سے نکال کر صراطِ مستقیم تک راہنمائی کا سبب ہے اور یہ راہنمائی ہی حقوق و فرائض کا تعین کرتی ہے تو جذبۂ ایثار و قربانی بھی اپنے معنی پاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اللہ پاک کے پیغمبر اور رسول تھے۔ آپ کا لقب خلیل اللہ تھا۔ آپ ہی کی دعا کا ثمر امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں آپؑ نے اوائل عمری سے پیری تک اعلائے حق کے لیے انتہائی صبر آزما زندگی بسر فرمائی۔ جس کی تفصیلات کے لیے اداریہ ہذا کا دامن تنگ ہے آپ کی ایک دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (الصّٰفّٰت:101) سو ہم نے ان کو ایک نرم دل بیٹے کی خوشخبری دی۔ بیٹے کی نوعمری میں ہی آپ کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تو حضرت اسماعیلؑ نے کم سنی کے باوجود اللہ کے برگزیدہ نبی کی حیثیت سے والدِ گرامی کو جواب میں عرض کیا۔ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (سورۃ الصّٰفّٰت:102) اے ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجیے ان شاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

حضرت ابراہیمؑ نے حکم کی تعمیل فرمائی لیکن باذن اللہ حضرت اسماعیلؑ کی جگہ جنت سے دنبہ پہنچا دیا گیا اور ارشاد ہوا: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ (سورۃ الصّٰفّٰت:105) بے شک آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ اس بندگی کو اللہ تعالیٰ نے اتنا پسند فرمایا کہ اس دن کی یاد روزِ قیامت تک تازہ ہوتی رہے گی اور مخلصین سنتِ ابراہیمی کی پیروی میں مال کی قربانی اور لبیك اللھم لبیك تلبیہ پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتے رہیں گے۔

اس عظیم قربانی سے یہ صدا روزِ محشر تک بلند ہوتی رہے گی کہ مخلوق حکم کے لیے نہیں بلکہ تعمیلِ حکم کے لیے ہوا کرتی ہے۔ جیسے زندگی حقیقت ہے ویسے ہی موت بھی حقیقت ہے۔ ماہ و سال گزرتے ہوئے نجانے زندگی کہاں تمام ہو جائے۔ ہر لمحے ہوش کی ضرورت ہے کہ کہیں ہم قربِ الٰہی کے مواقع بھی رواجات و اناء کی نظر نہ کر دیں کیونکہ ارشاد ہے۔ وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى (سورۃ الحج:37) لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ قربانی سنت ابراہیمی ہے اور جانور کے ایک ایک بال کے بدلے اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے۔

شکوۂ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن   قبول حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں   (اقبال)

اللہ پاک ہماری غلطیاں معاف فرمائیں اور اس یوم النحر کے دن مال کی قربانی کے ساتھ نفسانی خواہشات بھی قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں تا کہ ہماری زندگی بھی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ڈھل جائے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الانعام:162)

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ O اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ O اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ O اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

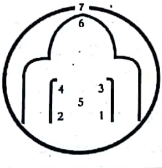

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُوْ'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے: کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُوْ'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُوْ'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُوْ'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُوْ'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُوْ'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؔ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمہ مَن وخاتمہ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیمابؔ اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر	دل دروازہ	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدہ تر

نعت

اپنی خاطر تو یہ جنت کی ضمانت ہوگی
ہو اگر کٹیا کوئی دشت و صحرا میں نصیب

اپنی قسمت پہ کروں ناز مَیں جتنا، کم ہے
ہو بسیرا جو مرا شہرِ محمدؐ کے قریب

رونقیں جس کی جواں اور فضائیں روشن
کیف ایسا کہ جسے صرف کہا جائے عجیب

ہیں تونگر ترے کوچے کے گدا بھی آقا
تجھ سے کوئی دُور ہو جتنا ہے وہ اتنا ہی غریب

وہ دلِ بیمار ہے مَیں پیش کرتا ہوں اسے
یہ مریضِ لادوا ہے اور تُو حاذق طبیب

ہے مرا مرض پرانا بھی خطرناک بھی ہے
اس کی دوا خاک میں ہے تیرے قدموں کے قریب

نام کا سیمابؔ ہے اِک خاک کی مٹھی آخر
تیری راہوں کی بنے خاک جو یاور ہوں نصیب

حمد و نعت سے انتخاب

اقوالِ شیخ

1۔ اللہ کی بارگاہِ میں سب سے اعلیٰ ،خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو قربِ الٰہی کو اپنی منزل بناتے ہیں۔
(المرشد، مئی 2016، ص:8)

2۔ ہر شخص اپنے بارے غور کرے کہ جب ہم گناہ کرتے ہیں تو کیا ہمیں حضورِ حق کا خیال ہوتا ہے۔
(المرشد، مئی 2016، ص:10)

3۔ فنِ تصوّف میں جس پر اللہ کا احسان ہے اس پر دینا واجب ہے، لینا حرام ہے۔
(المرشد، فروری 2016، ص13)

4۔ صبر کا مطلب ہے کہ بندے کے منہ میں شریعت کی لگام ہو۔ جہاں شریعت روک دے وہ رُک جائے۔
(اکرم التفاسیر، سورۃ الفرقان، آیہ:20)

5۔ تصوّف یہی ہے کہ قلب کو صاف کیا جائے اور دین خبر نہ رہے دین علم بن جائے، دل کا حال بن جائے۔
(المرشد، فروری 2016، ص:29)

6۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات، ظاہری علوم بھی دیتی ہیں اور ان کے ساتھ ان کی کیفیات بھی عطا کرتی ہیں جو قلوب میں اُتر کر جان کا حصہ بن جاتی ہیں۔
(کتابچہ منصبِ ولایت، ص:8)

7 علم وہ جو بندے کا مزاج بدل دے، اس کی سوچ بدل دے، اس کا دل بدل دے، اس کے خیالات بدل دے۔
(اکرم التفاسیر، جلد:1، ص:175)

8۔ شیخ کی توجہ دراصل برکاتِ نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرَتو ہوتی ہے اور اتنا کام کرتی ہے جتنا شاید صدیوں کی محنت نہ کرسکے۔
(کنوزِ دل، ص:58)

بیان 24 جولائی 2016ء

سالانہ اجتماع 2016ء

علومِ باطنی کا حاصل

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (سورۃ العلق:5)۔۔۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمِ۔

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمِ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم۔

پہلی "وحی" میں یہ اِرشاد ہُوا ہے۔ اللہ کریم نے اپنا احسان بیان فرمایا ہے کہ انسان کو وہ چیزیں تعلیم فرمائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ۔۔۔ سے شروع ہونے والی پہلی وحی۔ یہ پانچویں آیت ہے۔ علوم کا منبع و مخزن اَنبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں۔ اَنبیاءؑ کے علاوہ اِنسان جو علوم حاصل کرتے ہیں وہ صرف مادّی چیزوں کو مختلف انداز میں جوڑ کر، اُن کی مختلف صورتیں بنانا، کھانا پینا، اِستعمال کرنا ہے۔ اِس سے آگے دنیوی علوم نہیں جاتے۔ کوئی کتنا بڑا فاضل ہو، علومِ دنیوی کے کسی شعبے میں بھی ہو، تو اُس شعبے میں اُن مادّی چیزوں کے استعمال یا اُن کی ترتیب یا اُن کے بنانے سے آگے نہیں جائے گا۔ یہ جو دنیوی عُلوم ہیں، یہ ساری مخلوق کو اُس کی ضرورت اور حیثیت کے مطابق اللہ نے عطا فرمائے ہیں۔ یہ صرف انسان کے پاس ہی نہیں ہیں۔ ایک بَیّا جو اپنا گھونسلہ بناتا ہے، بڑے سے بڑا حیران رہ جاتا ہے۔ شہد کی مکھی اپنا چھتہ بناتی ہے تو اُس کے ہزاروں، لاکھوں خانے ہوتے ہیں۔ ہر خانے کے اضلاع برابر ہوتے ہیں۔ وہ کونسی پیمائش کرتی ہے؟ کس اندازے سے بناتی ہے، کوئی ایک مکھی ہوتی ہے؟ ہزاروں کی تعداد میں لگی ہوتی ہیں۔ کہیں کبھی کوئی غلطی ہوتی ہے؟ آبی جانور پانی میں رہتے ہیں، پلتے بڑھتے، پھلتے پھولتے ہیں اور تیرنا بھی پیدائشی طور پر سیکھ جاتے ہیں۔ غذا ڈھونڈنا بھی، استعمال کرنا بھی سیکھ جاتے ہیں۔ تو ساری مخلوق کو اُس کی ضروریات کا علم اللہ نے تخلیقی طور پر، پیدائشی طور پر عطا فرما دیا ہے۔ علومِ دُنیا بھی اُنہی علوم میں سے ہیں۔ انسان کی ضروریات چونکہ باقی مخلوق سے سوا ہیں۔ یہ اعلیٰ مخلوق ہے، اس کی ضروریات بھی باقیوں سے اعلیٰ ہیں۔ باقی مخلوق گھر بناتی ہے۔ کسی نے گھونسلہ بنالیا، کسی نے غار بنالی، کوئی جھاڑیوں میں رہ گیا، یہ صرف گھر نہیں بناتا یہ اچھے سے اچھا گھر بناتا ہے۔ باقی مخلوق پیٹ بھرنے کے لئے غذا تلاش کرتی ہے، انسان صرف پیٹ نہیں بھرتا، یہ اُسے لذیز، شیریں، خوبصورت بناتا ہے۔ جتنے دُنیوی علوم ہیں فطری طور پر عطا ہوتے ہیں۔ اپنی اپنی اِستعداد ہے۔ جس طرح ہر بندے کا قد مختلف ہے، حُلیہ مختلف ہے، رنگ مختلف ہے، اِسی طرح اُن کی عقول کا دائرہ کار بھی اپنا اپنا ہے۔ تو جتنے بھی دنیوی علوم حاصل کر جائیں، ضروریات انسانی کی تکمیل کے لیے کون سے مادّی ذرائع ہیں اور اُنہیں کیسے اِستعمال کیا جائے، اس سے آگے نہیں جاتے۔ حقیقی علوم، جس کی انسان کو بحیثیت انسان ضرورت ہے وہ اَنبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملتے ہیں۔ اِنسان، بحیثیت اِنسان کیا ہے؟ اُس کی عظمت کیا ہے؟ کون سی بات اُسے تباہ کرتی ہے؟ اُس کی تباہی کیا ہے؟ اُس کی زندگی کیا ہے؟ اُس کی موت کیا ہے؟ قرآنِ کریم نے واضح الفاظ میں اُن کو مُردہ کہا ہے جن پر انبیاءؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات اثر نہیں کرتیں: لَا تُسْمِعُ

اَلْمَوْتٰی (سورۃ النمل:80)۔۔۔ اِن مُردوں کو آپ ﷺ کیا سنائیں گے۔ اِس سے مراد وہ مُردے نہیں جو قبرستانوں میں پڑے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام قبرستانوں میں جا کر وعظ کرتے تھے تو اللہ نے اُنہیں منع فرمادیا؟ نہیں ایسا نہیں، ہے، یہاں زندہ انسان مراد ہیں۔ وہ ایک عرب شاعر نے کہا تھا۔

وَاَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُوْرِ قُبُوْرِهِمْ ۔۔۔

اِن کے جسم قبر میں جانے سے پہلے قبریں بن چکے ہیں۔

تو قرآن نے بھی اُسے مردہ کہا ہے جو ایمان کے بغیر ہے، چونکہ مُردہ قبول کرنے کی استعداد سے محروم ہوجاتا ہے، اس کا عمل کرنے کا وقت ختم ہوجاتا ہے، مرجانے کے بعد آپ تبلیغ کرتے رہیں اُسے کوئی فرق نہیں پڑتا، اُس میں وہ اِستعداد ہی نہیں کہ انکار کرے یا اِقرار کرے۔ اُس میں اب وہ اِستعداد بھی نہیں کہ اُس پر عمل کرے۔ تو جو تعلیماتِ انبیاءؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام سے روگردانی کرتے ہیں، قرآن نے اُنہیں مُردہ کہا ہے۔

جو علومِ انبیاءؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہوتے ہیں، اُس کے اعلان کے لیے، آگے چلانے کے لیے، اس کو قائم رکھنے کے لیے جانیں دے دیتے ہیں، قتل ہوجاتے ہیں۔ فرمایا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ (سورۃ البقرہ:154)۔۔۔ جو اللہ کی راہ میں قتل ہوجاتے ہیں اُنہیں مُردہ نہ کہو بَلْ اَحْيَآءٌ ۔۔۔ وہ زندہ ہیں۔ دیکھیں کتنا فرق ہے ہماری سمجھ میں اور قرآن کے بتانے میں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ (سورۃ آل عمران:169)۔۔۔ یہ خیال بھی مت لاؤ دِل میں کہ اللہ کی راہ میں قتل ہوگیا یا مرگیا یعنی فزیکلی (Physically) مادّی جسم کے طور پر جن کی موت واقع ہوچکی ہے، قتل ہوچکے ہیں، بدن کے پرخچے اُڑ گئے۔ جنازہ ہوگیا۔ زیرِ زمین دفن ہوگئے، اللہ فرماتا ہے زندہ ہیں۔ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (سورۃ آل عمران:169)۔۔۔ اپنے ربّ کے پاس ہیں، کھاتے پیتے ہیں، ہماری طرح اُنہیں بھی نعمتیں ملتی ہیں۔ دوسری طرف زمین پر چلتے پھرتے لوگوں کو کہتا ہے یہ مُردے ہیں۔

آپ ﷺ اُنہیں کیا سنائیں گے۔ تو اگر علومِ انبیاءؑ سے اگر کچھ نصیب نہ ہو تو اُس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی مُردہ چل پھر رہا ہے۔ پھر جو علوم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نصیب ہوتے ہیں اور جو نبی کریم ﷺ نے تقسیم فرمائے اُن کے آگے دو شعبے ہیں۔ علمائے حق اُسے علومِ ظاہر اور علومِ باطن کہتے ہیں۔ علومِ ظاہر کیا ہیں، ظاہری علوم کیا ہیں؟ عقیدہ، ایمان، اسلام، ارکان اسلام، آخرت، ضروریات دین کے عقائد، زندگی گزارنے کا سلیقہ، حلال وحرام، جائز وناجائز، یہ جاننا یہ علومِ ظاہر ہیں اور بڑا خوش نصیب ہے وہ شخص جو حضور ﷺ کے عطا کردہ ان علوم کو جانے، مانے، اُن پر عمل پیرا ہو، تو اس کی نجات کے لیے کافی ہے۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ (سورۃ آل عمران:185)۔۔۔ فرمایا: جو دوزخ سے بچ کر جنت چلا گیا وہ جیت گیا، کامیاب ہوگیا۔ علومِ باطنی کیا ہیں؟ کوئی اور علم ہے؟ کوئی اور بات ہے؟ اِسی ظاہری علوم کے الفاظ کو علومِ ظاہر کہتے ہیں اور اُن الفاظ سے جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں اُسے علومِ باطن کہتے ہیں۔ الفاظ وہی ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ وہی ہیں، قرآنِ کریم کے، اللہ کے کلام کے، کردار وہی ہے جو حضور ﷺ نے تعلیم فرمایا۔ آپ سادہ سی مثال سے جان سکتے ہیں کہ بعض اوقات ہم بڑی لمبی تقریر سنتے ہیں کسی کی تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ٹھیک جی تقریر ہوگئی، جلسہ ہوگیا۔ بعض اوقات ایک جملہ سنتے ہیں تو جھوم اٹھتے ہیں کہ سُبحان اللہ! کیا جُملہ تھا۔ یہ جس جملے نے ہمیں تڑپا دیا اس کی کیفیت ہمارے دِل پر آئی۔ وہ ساری تقریر جسے ہم نے بہت اچھا بھی کہہ دیا اس کی کیفیت کوئی نہیں بنی۔ اِس لیے ہم نہیں تڑپے۔ ایک بندہ گالی دیتا ہے، اگلے کا چہرہ سُرخ ہوجاتا ہے، مارنے کو دوڑتا ہے، اُس گالی میں جو کیفیت تھی وہ اُس کے دل پر گئی۔ ایک بندہ خوبصورت شعر پڑھتا ہے، اچھی لے میں پڑھتا ہے۔ اگلا عش عش کر اٹھتا ہے۔ وہ جو اُس میں کیفیت تھی وہ دل میں آئی۔ علومِ قرآن، اور ارشاداتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیفیت کو دل میں اُتارنے کا نام علوم باطنی ہے۔ یہی وہ نعمت ہے جس نے حالتِ ایمان میں حضور ﷺ کی صحبت پانے والے کو صحابیؓ بنادیا۔

بے پناہ مدارج ہیں سلوک کے، ولایت کے، انسان کا شعور ساتھ چھوڑ جاتا ہے نہ گن سکتا ہے، نہ شمار کر سکتا ہے۔ سادہ سی بات لوگ لکھ بھی دیتے ہیں، کہہ بھی دیتے ہیں فُلاں ہستی نے سلوک مکمل کر لیا۔ لیکن یہ لوگوں کی سادگی اور ناواقفیت ہے۔ کتنے منازل اللہ کسی کو دیتا، عطا کرتا چلا جائے کوئی ایسا مقام نہیں ہے جہاں وہ پہنچا اور آگے اللہ جلوہ افروز تھے، نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر ایسی ہزاروں عمریں بھی انسان کو ملیں اور وہ ساری عمر چلتا رہے تو چلتا ہی رہے گا۔ ساری دُنیا کے لوگ اگر ولی اللہ ہو جائیں تبع تابعی کی خاک کو نہیں پہنچ سکتا۔ مقام بلند ہے، انہوں نے تابعین کی صحبت پائی۔ کہاں سے لائیں گے؟ تبع تابعین، تابعین کا مرتبہ نہیں پا سکتے، تبع تابعین رہیں گے۔ تابعی وہ ہے جس نے کسی صحابیؓ کی صحبت پائی تو ساری دنیا کے لوگ ولایت کی اعلیٰ منازل پر بھی چلے جائیں تو ایک صحابیؓ کے جوتے کی خاک کے برابر نہیں ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جس نے سنا، صحابیؓ ہوگیا۔ اِتنا بڑا مقام! نہ کوئی مجاہدہ، نہ کوئی محنت، نہ کوئی مشقت۔ شرط کیا لکھتے ہیں علماء کہ ایمان لانے کے بعد اُس کی نظر حضور ﷺ کے وجودِ عالی پر پڑ گئی صحابیؓ ہوگیا اور اگر حضور ﷺ کی نظر اُس پر پڑ گئی تو نُورٌ علیٰ نُور۔ دونوں حالت میں وہ صحابیؓ ہوگیا۔ یعنی اِک نگاہ کی بات ہے۔ تو بھئی! علوم تو حضور ﷺ نے زبانی ارشاد فرمائے ہیں۔ صحابہؓ نے بھی زبانی سُنے۔ قرآن عطا فرمایا، صحابہؓ نے لکھا۔ آج تو عجیب عجیب بحثیں ہوتی ہیں کہ قرآن فلاں دور میں نازل ہوا۔ فلاں آگے ہوگیا، فلاں پیچھے ہوگیا۔ اِنہیں یہ خیال نہیں آتا کہ مکہ مکرمہ میں جو آیت نازل ہوتی تھی ضبط تحریر میں لائی جاتی تھی۔ 38و39 آدمی مسلمان تھے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی کو ایک صحابیؓ لکھی ہوئی آیات پڑھا رہے تھے، تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جو آیت نازل ہوتی تھی ضبط تحریر میں لائی جاتی تھی؟

دوسری بات! جو آیت نازل ہوتی تھی حضور ﷺ اُس کی ترتیب بھی بتاتے تھے۔ یہ فُلاں سورۃ میں آئے گی، فُلاں جگہ آئے گی۔ فُلاں آیت سے آگے لکھی جائے گی، فُلاں سے پیچھے لکھی جائے گی۔ تو حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں قرآن مکمل ہوا۔ آخری آیت تھی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (سورۃ المائدہ: 3)۔۔۔ یہ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ اس کے 82،80 دن تک حضور ﷺ اس دارِفانی میں جلوہ افروز رہے، تو اس مکمل قرآن کی ترتیب کیا حضور ﷺ کی دی ہوئی نہیں؟ ان سارے علوم کی کیفیات اپنی ہیں، نتائج اپنے ہیں۔ علم ظاہر ہو اور اُس پر خلوص سے عمل نصیب ہو جائے تو نجات کے لیے کافی ہے، لیکن علم ظاہر کے (side effect) بڑے ہوتے ہیں یعنی اس کے اُلٹے نتائج بہت نکلتے ہیں۔ اِس میں ایک خصوصیت ہے۔ آدمی جتنا پڑھتا جائے، جتنی کتابیں جانتا جائے، کھولتا جائے، آگے چلتا جائے اُس میں ایک زعم پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں۔ یہ اس علمِ ظاہر کا سائیڈ ایفیکٹ (Side Effect) ہے۔ سائیڈ ایفیکٹ اُس نتیجے کو کہتے ہیں جس کا لینا مقصد نہیں ہوتا لیکن وہ اس دوائی کے ساتھ آ جاتا ہے۔ وہ کبھی فائدہ مند نہیں ہوتا، نقصان دہ ہوتا ہے۔ آپ ایک دوائی کھاتے ہیں سر درد کے لیے تو سر درد تو ٹھیک ہو جاتا ہے، تے شروع ہو جاتی ہے، دِل بیٹھنے لگ جاتا ہے۔ وہ کیا ہے۔ جی؟ یہ اِس کا سائیڈ ایفیکٹ ہے۔ بھئی سر درد ہے دل تو ٹھیک ہے۔ تو یہ جو سائیڈ ایفیکٹ ہوتے ہیں یہ بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ علم ظاہر کا یہ سائیڈ ایفیکٹ ہے کہ جتنا کوئی پڑھتا ہے اُس میں اُتنی "میں" آتی جاتی ہے اِلّا مَا شَآءَ اللہ۔ اللہ کے بہت سے بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے بہت سا پڑھا اور عظمتِ الٰہی کو مان کر اپنا نہ ہونے پر قائم رہے۔ لیکن ایسے زیادہ ہیں جن میں انانیت آ گئی، "میں" آ گئی۔ میں علامہ ہوں، میں واعظ ہوں، میں مفتی ہوں، میں یہ ہوں، میں وہ ہوں۔

ہر بیماری کی دوا ہوتی ہے۔ اِس سائیڈ ایفیکٹ (Side Effect) کی دوا علوم باطنی ہے۔ علوم باطنی وہ کیفیات ہیں کہ جب آپ کوئی جملہ پڑھتے ہیں، بولتے ہیں تو اُس کی کیفیت بھی دِل پہ وارد ہوتی ہے۔ جب آپ اللہُ اکبر کہتے ہیں تو زبان تو کہہ رہی ہے اللہ بہت بڑا ہے، دِل پر اس کی بڑائی کی ایک ہیبت بھی آ جائے۔ تو جو کچھ پڑھا جائے اُس کی کیفیات کا دل میں آنا یہ علومِ باطنی ہیں۔ علوم ظاہر سے الگ، علومِ باطنی کوئی الگ شعبہ نہیں ہے۔ جس طرح صحابہؓ صحابی بنے۔ بھئی جس نے کلمہ پڑھا مسلمان ہوا، مومن تو ہوگیا۔ بات ختم ہوگئی،

صحابیؓ ہو گئے۔ صحابیت بعد از انبیاءؑ بلند ترین مقام ہے۔ تو جس نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ کی نظر میں آیا اور آپ ﷺ کے قلبِ اطہر سے وہ برکات اُس کے دل میں آئیں کہ دل زندہ ہو گیا اور وہ کیفیات پانے لگ گیا۔ پھر وہ برکات ختم نہیں ہوئیں۔ جس طرح علومِ ظاہر مسلسل چل رہے ہیں اُسی طرح برکاتِ نبوّت ﷺ مسلسل چل رہی ہیں۔ اور جب تک عالم قائم ہے حضور ﷺ کے علوم کے یہ دونوں خزانے بٹتے رہیں گے۔ علومِ ظاہری جس کے پاس ہوتے ہیں اُن کے پاس باطنی کیفیات نہیں بھی ہوسکتیں مگر ایسے لوگ ملتے ہیں جس کے پاس علومِ باطنی لازم ہوتے ہیں اور اُن کے علوم ظاہری بھی ہوتے ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ علومِ باطنی کا کوئی آشنا علوم ظاہری سے بے بہرہ نہیں ہوتا اور علوم ظاہری والے سارے باطنی علوم سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ تو باطنی علوم ہیں برکاتِ نبوّت ﷺ، کیفیات کو دل میں سمونا ہوتا ہے۔ بعض حضرات، سمجھ نہیں آتی کیوں؟ شاید وہی بات ہے علمِ ظاہر ہوتا ہے، وہ کہتا ہے میں بہت بڑا ہوں دوسرا جو کر رہا ہے اس پہ فتویٰ لگا دوں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں اگلے دن دیکھ رہا تھا کہ کہیں انٹرنیٹ پر کلپ (Clip) لگا ہوا تھا، اُس پہ لکھا ہوا تھا کہ ان لوگوں کی عبادت دیکھیں۔ کچھ لوگ سادہ کپڑوں میں سادہ لوگ بیٹھے تھے۔ پھر اُنہوں نے ہمارے والا یہ ذکر شروع کر دیا۔ شاید حلقے کے ساتھی ہوں گے۔ کچھ دیر کرنے کے بعد پھر ایک مولانا آ گئے اُنہوں نے ایک عربی کوٹ چغہ پہنا ہوا تھا، رومال بھی عربیوں کی طرح کیا ہوا تھا۔ اُنہوں نے پھر بڑی تقریر فرمائی کہ طریقہ عبادت وہی ہے جو نبی کریم ﷺ سے ملا۔ یہ بڑا ظلم کر رہے ہیں، انہوں نے دین کو تباہ کر دیا۔ میں نے کہا اس بندے نے خلیہ تو عربوں والا بنایا ہوا ہے، اس میں شعور نہیں ہے۔ طریقہ ذکر وسائل میں سے ہے، مقصد نہیں ہے۔ مقصد اللہ کا ذکر ہے۔ کیسے کیا جائے؟ یہ اللہ نے مقرر نہیں کیا۔ نماز کا طریقہ مقرر ہے، روزے کی حدود مقرر ہیں، زکوٰۃ کی حدود معین ہیں، حج کا طریقہ مقرر ہے۔ ذکر کیسے کرنا ہے؟ ارشاد ہے: الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آلِ عمران: 191)۔۔۔ کھڑے ہو، بیٹھے ہو، لیٹے ہو، وُضو ہے، نہیں ہے، وجود پاک ہے، نہیں ہے، مُنہ قبلے کو ہے، نہیں ہے، کوئی شرط نہیں۔ واحد عبادت ہے ذکرِ الٰہی جس میں کوئی شرط نہیں۔ حکم ہے کیے جاؤ، کیے جاؤ، کیے جاؤ۔ یہ ریل گاڑی، یہ ہوائی جہاز، کیا یہ حضور ﷺ کے عہد میں تھیں؟ تو اب کیوں استعمال کرتے ہو؟ وسائل ہیں۔ وسائل بدلتے رہتے ہیں۔ ذرائع بدلتے رہتے ہیں۔ مقصد تبدیل نہیں ہوتے۔ وہ زمانہ تھا اِک نگاہ میں کام ہو گیا۔ تابعین کا زمانہ تھا اِک ملاقات میں کام ہو گیا۔ تبع تابعین کا عہد تھا جو رُو برو آیا اُس کا سینہ مُنوّر ہو گیا۔ اُس کے بعد وسائل اختیار کرنے پڑے۔ وہ تابانی اور چمک دلوں میں نہ رہی۔ پیدا کرنی پڑی، محنت کرنی پڑی۔ اب میرا خیال ہے ہماری لائبریری میں بھی کم و بیش 200 کے قریب ایسی کتب ہیں جو اس موضوع پہ ہیں اور اُن میں کتنی کتب میں بہت سے طریقے ذکر کے لکھے ہیں جو مشائخ نے پسند فرمائے اور لوگوں کو تعلیم فرمائے۔ طریقہ ذکر مختلف ہے، مقصد وہی ہے کہ قلب روشن ہو جائے، تو ذرائع تو متعین نہیں ہوتے کسی زمانے میں بھی، وسائل اور ذرائع بدلتے رہتے ہیں۔ مقصد تبدیل ہو جائے تو غلطی ہوتی ہے، مقصد نہیں بدلتے۔

طریقہ ذکر جو ہیں یہ وسائل اور ذرائع ہیں اور یہ بھی متقدمین سے آ رہے ہیں، محققین سے آ رہے ہیں۔ علومِ باطنی کا جو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ "میں" کچھ نہیں ہوں، جو کچھ ہے سب کچھ "وہ" ہے۔ تو ادراک ہوتا ہے عظمتِ الٰہی کا اور اپنے نہ ہونے کی خبر ہو جاتی ہے۔ لہٰذا احکامِ باری پہ بے چون و چرا پورے خلوص سے عمل پیرا رہتا ہے کہ میری حیثیت نہیں ہے کہ میں ان سے اِدھر اُدھر ہو جاؤں۔ اپنی حیثیت کو پہچان لیتا ہے۔

انسان اللہ کی عجیب مخلوق ہے۔ دارِ دنیا میں ہے۔ بیچارہ پھنسا ہوا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ علومِ باطنی آبِ حیات ہیں۔ لوگ آبِ حیات پی کے مرجاتے ہیں۔ اب یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا ہوتا ہے جو نتیجہ دنیوی علوم کا تھا کہ میں نے اتنا پڑھا، میں اتنا عالم ہوں، میں اتنا فاضل ہوں، بدنصیب علومِ باطنی سے یہ نتیجہ حاصل کر لیتے ہیں کہ میں بڑا ولی ہو گیا ہوں۔ میں بڑا یہ ہو گیا ہوں۔ یاد رکھیں! یہ بڑا خطرناک ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ، اللہ کر کے انا میں گرفتار ہوتا ہے۔ تو دنیا کے سب سے موذی مرض میں وہ گرفتار ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اپنی

حیثیت ختم کرتا ہے، اس کا فائدہ یہ نہیں ہے کہ میں پارسا ہو گیا ہوں۔ صوفیاء نے محققین نے منع فرمایا ہے کہ کوئی کتنا بڑا صوفی بھی ہو جائے، اپنا حلیہ نہ بدلے۔ جو خاندانی، علاقائی انداز ہیں۔ جس طرح پہلے رہتا تھا ویسے ہی رہتا رہے۔ اگر حلیے بدلے گئے تو اُس میں بھی خطرہ ہے کہ اپنے آپ کو کچھ سمجھ رہا ہے۔ ہر بندے کا ایک خاندانی رہن سہن ہوتا ہے۔ اُسی میں رہے، حلیے نہ بدلتا رہے کہ میں بڑا صوفی ہوں، یہ تسبیح گلے میں پہن لوں۔ رومال باندھ لوں، یہ فلاں چغہ پہن لوں، یہ ناجائز ہے۔ تو احتیاط اس بات سے چاہئے۔ کتنا بدنصیب ہے وہ جو آبِ حیات پیئے اور مرجائے۔ جو زندگی کی دوا تھی، مرنے والے کو پلاؤ زندہ ہو جائے، مردہ کے منہ میں ڈالو اُٹھ کے بیٹھ جائے، تب آبِ حیات ہے۔ زندہ پئے اور مرجائے، یہ کیسی عجیب بات ہے! دنیا کا بدترین، بدنصیب ترین انسان وہ ہے جو اللہ اللہ سیکھے، کیفیات سیکھے اور پھر اپنی بڑائی میں مبتلا ہو جائے۔ میں بڑا ولی ہو گیا ہوں، میں بڑا صاحب مجاز ہو گیا ہوں۔ میں بڑا خلیفہ ہو گیا ہوں، کیا ہے صاحبِ مجاز؟ خلافت کیا ہے؟ خلافت نوکری ہے، ملازمت ہے، غلامی ہے۔ جس نے خلافت دی ہے اُس کی برکات کو آگے بانٹنا ہے، ایک نوکری ہے، چوکیداری ہے۔ میں کئی دفعہ سوچتا ہوں کہ خُدانخواستہ، ہم اِس سے الگ رہتے ہوتے، حضرت جیؒ پر اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوں، وہ نہ ملے ہوتے اور اِس شعبے میں نہ ہوتے تو کتنی مخلوق ایسی ہے جس کو ہم بلانا بھی گوارا نہ کرتے۔ جس کی طرف ہم دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے، اپنی کرّ و فر میں رہتے۔ تو یہ چیز میرے جیسے بندے کو بھی وہاں لے گئی کہ جس کو گھر میں بھی کوئی نہیں پوچھتا ہم اُس سے بھی محبت کرتے ہیں۔ کتنی ایسی مخلوق ہے جنہیں محلے میں کوئی نہیں جانتا، ہم اُس سے بھی محبت کرتے ہیں۔ کتنی ایسی مخلوق ہے جنہیں محلے میں کوئی نہیں جانتا، جن کی گھر میں کوئی عزت نہیں ہے۔ ہم اُس کا بھی احترام کرتے ہیں، کیوں؟ نوکری ہے، کرنا ہے ہم نے، تو پھر یہ خلافت کوئی بڑائی تو نہ ہوگئی۔ یہ تو نوکری ہوگئی۔ اس نے تو کسی کا غلام بنا دیا۔ فقیر بنا دیا۔ تو پھر اس پہ ناز کس بات کا؟

آج پہلا دن ہے۔ الحمدللہ! اللہ آپ کی محنت قبول کرے اور برکات عطا فرمائے۔ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ الحمدللہ! مجھے اس شعبے میں 57 یا 58 سال ہو گئے ہیں۔ 60 برس ہونے کو ہیں۔ میں نے کئی بیڑے ڈوبتے دیکھتے ہیں۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جو مشاہدہ کے لیے آنکھ بند نہیں کرتے تھے، دونوں جہاں اُن کے سامنے روشن ہوتے تھے۔ مخاطب ہم سے ہوتے تھے، بات ہم سے کر رہے ہوتے تھے، کوئی آخرت کی، برزخ کی بات پوچھ لو تو بھی بتا دیتے تھے۔ فلاں جگہ برزخ میں یہ ہو رہا ہے اور آنکھ بھی بند نہیں کرتے تھے۔ اُنہیں مشاہدے کے لیے آنکھ بند کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اتنے قوی مشاہدات تھے کہ آنکھوں سے دارِ دنیا بھی دیکھتے رہتے تھے اور آخرت بھی اُن کے سامنے ہوتی۔ اُنہی میں سے ایک بندے کو میں نے دیکھا زمین پہ پھرتے ہوئے، کہتا تھا کہ کوئی خدا نہیں ہے، کوئی نہیں ہے، کوئی اللہ نہیں ہے۔ بہت سے واقعات ہیں، کوئی ایک نہیں ہے۔ جب یہ کیفیات پا کر انانیت آتی ہے پھر بندہ نہیں بچتا، پھر نہیں بچتا، پھر اُس کی دوا ہی کوئی نہیں، لاعلاج ہو جاتا ہے۔ جسے آبِ حیات پی کر موت آئے اُس کے لیے کیا علاج باقی ہے۔ اللہ پاک سب کو نصیب فرمائے۔ یہ سارا مجاہدہ، یہ ساری محنت، یہ سارا آنا جانا، محض کیفیاتِ قلبی کو حاصل کرنے کے لیے ہے۔ جو برکات اللہ کے حبیب ﷺ کے قلب اطہر سے تقسیم ہوتی ہیں کسی کے باپ کی جائیداد نہیں ہیں۔ گھر سے کوئی کچھ نہیں دیتا، اہلِ اللہ کے سینے اُن کے امین تھے۔ نسلاً در نسلاً منتقل ہوتی رہیں۔ ہم ساڑھے چودہ سو سال دور ہیں۔ بڑا لمبا فاصلہ ہے درمیان میں، ساڑھے چودہ صدیاں حائل ہیں۔ ساڑھے چودہ سو سال بعد اگر وہ پرتوِ جمال ہمارے دل میں آئے تو اس سے بڑی بات دنیا میں کیا ہو سکتی ہے! علوم مقصدِ حیات ہیں اللہ کا انعام ہیں۔ دونوں شعبے نصیب ہونے چاہئیں۔

ظاہری علم، کم از کم ضروریات کا علم ہر ساتھی کے پاس ہونا چاہئے فرض کا جاننا فرض ہے، سنت کا جاننا سُنت ہے، نفل کا جاننا نفل ہے، واجب کا جاننا واجب ہے۔ اتنا ضرور مطالعہ کریں کہ روزمرہ کی زندگی کے معمولات، حلال حرام، جائز ناجائز پتا ہوں۔ اللہ نصیب کرے تو ان کیفیات کو سنبھالیں اور ان کا وہ نتیجہ حاصل کریں کہ مقصود ہے کہ ساری

عظمت اللہ کے لیے اور "میں"، "میں"، تو ہے ہی نہیں۔ میں کہاں ہے؟ "عبد" ایک چھوٹی سی اکائی۔

کتنے انسان دنیا میں گزر چکے ہیں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اپنے لیے اعشاریہ صفر، صفر ایک رکھنا چاہیں تو میرا خیال ہے ساری زندگی صفر ہی لکھتے رہیں گے ایک کی باری نہیں آئے گی۔ تو انسان تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ انسان کی قدر و قیمت اُن تجلیاتِ باری سے ہے، اُن برکاتِ نبوّت سے ہے جو اِس کے دل میں آجاتی ہیں، تو اللہ کریم نصیب فرمائے۔ قبول فرمائے، ان باتوں کی احتیاط رکھیں۔

یہ کسی ساتھی کا سوال بھی ہے۔ سورۃ واقعہ میں ہے کہ تم تین قسم کے ہوجاؤ گے۔ دائیں ہاتھ والے، بائیں ہاتھ والے اور آگے بڑھنے والے۔ میرے بھائی یہ تو ہر قرآن کے حاشیے میں بھی، ترجمے کے ساتھ لکھا ہوتا ہے۔ داہنے ہاتھ والے وہ لوگ ہیں جو صاحب نجات ہوں گے۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ (سورۃ آل عمران: 185) ۔۔۔ وہ کامیاب ہوگئے۔ بائیں ہاتھ والے وہ ہوں گے جو گرفتارِ عذاب ہوں گے۔ جنہیں دوزخ جانا ہوگا۔ اور آگے بڑھنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس علومِ ظاہر کے ساتھ کیفیاتِ قلبی بھی ہیں۔ اُن کا مرتبہ صرف نجات نہیں ہوگا، اُن کا مرتبہ قربِ الٰہی ہوگا۔ تو اپنے اپنے مدارج ہیں۔ علومِ ظاہری کسی کے پاس ہیں، اُن پر عمل کرتا ہے تو وہ داہنے ہاتھ والوں میں ہے۔ اللہ قبول کرے۔ جو کفر کرتا ہے، برائی کرتا ہے وہ بائیں ہاتھ والوں میں ہے، جہنم جانے والوں میں ہے۔ اور جو اللہ کی بارگاہ کی طلب لے کر، اللہ کے قرب کی طلب لے کر زندگی گزارتا ہے وہ آگے بڑھنے والوں میں چلا جائے گا۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (سورۃ واقعہ: 13-14) ۔۔۔ آپ نے اگلی آیت نہیں پڑھی۔ اس کے ساتھ قرآن کہتا ہے پہلوں میں صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ میں ثُلَّةٌ وہ گروہ در گروہ ہوں گے، آگے بڑھنے والے۔ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۔۔۔ اور بعد میں آنے والی اُمت میں سے کوئی، کوئی نکلے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

اکرم التفاسیر، صفحہ نمبر 29 سے آگے

پاک پلید نہیں دیکھتے، حلال حرام نہیں دیکھتے، یہ مصیبتیں تو یہ اپنی محنت سے گھر لا رہے ہیں۔ حلال کھاتے، اللہ کی عبادت کرتے، اس کا شکر ادا کرتے، ان کے گھروں میں بھی شادمانی ہوتی، سارے خوش رہتے۔ اللہ فرماتے ہیں میں تو انہیں نعمتیں دیتا ہوں لیکن جب یہ کفر یعنی ناشکری کرتے ہیں تو اہلِ سبا کی طرح جس طرح باغات کی جگہ ویرانے آگئے اور بند ٹوٹ گئے اور پانی کا قطرہ نہ ملتا تھا، سڑکیں ٹوٹ گئیں، نہریں چلی گئیں، شہر پانی میں، سیلاب میں بہہ گئے، لاکھوں، کروڑوں، ہزاروں لوگ سیلاب میں بہہ کر تباہ ہوگئے، کوئی جو چند بچ گئے اِدھر اُدھر بھاگ گئے اور علاقہ ہی ویران ہوگیا۔ یہ کیا تھا؟ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ ۔۔۔ یہ ان کی ناشکری کا بدلہ تھا، انہوں نے خود ناشکری کی، اس کا بدلہ انہوں نے پالیا۔

وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۔۔۔ اور جب ناشکری کرتے ہیں تو اور کیا پائیں گے۔ اگر آج بھی ہر گھر میں بے چینی ہے تو ذرا تجزیہ کر کے دیکھو کہ اللہ کی نعمتیں کتنی ہیں اور تم اس کا شکر کتنا ادا کرتے ہو؟ تو جب ہم ناشکری کریں گے، نعمت پر اللہ کا شکر نہیں کریں گے، اس کی اطاعت نہیں کریں گے اس کے نبیؐ کی اطاعت نہیں کریں گے تو وہی نعمتیں مصیبت کا سبب بن جائیں گی۔ جب انہوں نے بند بنایا تھا تو ساری راحت اس ایک بند سے تھی، وہی بند ان کی تباہی کا سبب بن گیا۔ تو آج بھی اگر ہمارے گھر گھر میں پریشانی ہے اور ہم بھاگ دوڑ رہے ہیں۔ کبھی عاملوں کے پیچھے، کبھی تعویذ دھاگے والوں کے پیچھے اور کبھی کوئی پیر ڈھونڈ رہے ہیں اور کبھی فقیر۔ تو یہ پیروں فقیروں کا معاملہ نہیں ہے، آپ کا معاملہ اپنے مالک کے ساتھ ہے، اس کے ساتھ تعلقات درست کرلیں آپ کو کسی پیر فقیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ جانیں آپ کا ربّ جانے۔ اس کی اطاعت کریں، اپنا عقیدہ درست کریں، اپنا کردار درست کریں، حلال کھائیں، ربّ کا شکر ادا کریں، آپ کو سکون ہی سکون نصیب ہوجائے گا۔ کوئی پریشانی نہیں رہے گی اور اگر ناشکری کریں گے تو ناشکری کا بدلہ یہی ہوتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

سورۃ المومنون، النور

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

مرید سے مال کی طمع رکھنے کی مذمت:

قولہٗ تعالیٰ: اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ خَرۡجًا ۔۔۔ (المومنون:72)

ترجمہ: یا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں۔

"جس شخص کی اصلاح میں سعی کی جاوے اس سے مال طلب کرنے کی مذمت ہے کہ یہ مقصود میں مخل ہے۔"

اللہ کریم نے اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا کہ کافر کیوں اس قدر آپ سے چڑتے ہیں؟ کیا آپ دینِ حق کے بتانے میں، انہیں تبلیغ کرنے میں، اللہ کے احکام پہنچانے میں، ان سے کوئی چندہ مانگ رہے ہیں یا ان سے پیسے مانگ رہے ہیں؟ یا ان سے کوئی دنیوی فائدہ مانگنا چاہتے ہیں؟ آپ تو کچھ نہیں لینا چاہتے، آپ کا صلہ تو اللہ کے پاس ہے۔ آپ ان سے اس کا کوئی صلہ تو نہیں مانگتے۔

سو فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص کی اصلاح کی جاوے اس سے مال طلب کرنے کی مذمت ہے یعنی جس شخص کی تربیت کی جائے یا آپ اللہ اللہ سکھاتے ہیں تو ان سے دنیوی فائدے اٹھانے کی مذمت ہے۔ آپ دنیا کے لیے نہ سکھائیں۔ بعض لوگوں سے، بعض ساتھیوں سے بھی یہ قصور ہوتا ہے۔ بڑی عجیب بات ہے، ابھی تک یہ بات چلتی رہتی ہے، مجھے بھی آکر بتاتے ہیں آج فلاں شخص آیا ہے، وہ جرنیل ہے، وہ بریگیڈیر ہے، وہ بڑے کارخانے کا مالک ہے، وہ بڑا شخص ہے وہ بڑا بندہ ہے۔ یاد رہے! جو آتا ہے وہ ہمارے پاس طالب علم ہے اور بات ختم۔ ہم نے اس سے کارخانے نہیں بانٹنے ہیں، ہم نے کوئی عہدہ نہیں لینا، ہمیں اس کے چندے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں اس سے کچھ نہیں لینا، اسے دینا ہے اللہ کا نام، کیفیات و برکات جو ہمارے پاس حضور اکرم ﷺ کی امانت ہیں، یہ تمام مسلمانوں کی امانت ہیں۔ ہمارے لیے ہر آنے والا معزز ہے خواہ وہ جرنیل ہے خواہ گلی کا فقیر ہے۔ اللہ کی طلب میں آیا ہے، اللہ کا مہمان ہے اور اللہ کے مہمانوں کی طرح اس کی عزت بھی کی جائے گی، اخلاق کا برتاؤ بھی کیا جائے گا، اس کی تربیت بھی کی جائے گی۔ لیکن یہ توقع رکھنا کہ یہ امیر آدمی ہے یہ مجھے کوئی دنیوی فائدہ پہنچائے گا، فرمایا یہ جائز نہیں ہے اور قرآن نے اس کی مذمت کی ہے۔ اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ یہ ختم نہیں ہوتا، پتا نہیں کیوں نہیں ہوتا؟ ہمیں جاننا چاہیے، کم از کم ذاکرین کو کسی سے دنیوی فائدے کے لالچ میں نہیں پڑنا چاہیے۔ بندے کو جو چیز چاہیے وہ رب العالمین سے ملتی ہے، وہ دیتا ہے۔ اسی پر بھروسہ کرو تو وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ذلت، رسوائی بندے کو نہیں دیتا، اس سے بچا لیتا ہے، اپنی بارگاہ سے دیتا ہے۔

عوام سے درگزر کرنا اور خواص پر دارو گیر:

قولہٗ تعالیٰ: اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَةَ (المومنون:96)

ترجمہ: آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا ہو۔

بے ادبوں کی طرف التفات نہ کرنا یہ معاملہ عوام واجانب کے

ساتھ ہے اور خواص و متعلقین کے ساتھ کہ ان کی تادیب کی جاوے سورۃ الحجرات میں مذکور ہے۔"

فرماتے ہیں جو گستاخی کرتا ہے، بے ادبی کرتا ہے اس کی پرواہ نہیں کرتے لیکن یہ معاملہ عوام کے ساتھ ہے۔ ذاکرین میں سے کسی سے اگر غلطی ہوگئی تو اس کی تادیب کی جائے گی، اس کی اصلاح کی جائے گی۔ اسے روکا جائے گا۔ جو اللہ کے طالب ہیں، جو اس راہ پر چل رہے ہیں اگر وہ کوئی غلطی کریں گے تو شیخ انہیں جھڑکے گا، روکے گا، منع بھی کرے گا یہ اس کی ذمہ داری میں سے ہے۔ اور یہ بڑی عجیب بات ہے، یہ تجربات ہوتے رہتے ہیں، تو کبھی کبھار کسی کو ٹوک دیا جائے یا روکا جائے تو پھر اس کے بڑے لمبے خط اور ای میل آتی ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہوگئے اور میں آپ کو راضی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ فضول بات ہے، شیخ ناراض نہیں ہوتا۔ اگر ایک غلطی ہوئی ہے اس نے اس پر ٹوکا ہے تو یہ اس کا فرضِ منصبی ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ آپ کو سمجھائے۔ اِسے اپنی ناراضگی میں لے لینا یہ غلط ہے، شیخ ناراض نہیں ہوتا بلکہ شیخ اگر خفا بھی ہوتا ہے ناراض بھی ہوتا ہے تو اس شخص کی محبت میں ہوتا ہے کہ یہ اس قصور سے بچ جائے، اس کا نقصان نہ ہو۔ اگر کوئی ہمیں ہمارے نقصان سے بچاتا ہے تو وہ ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے، ہمارا بھلا چاہتا ہے تو ہمیں بچاتا ہے۔ والدین اگر اولاد کو کسی غلط کام سے روکتے ہیں تو کسی دشمنی یا ناراضگی سے نہیں روکتے، اس کی بھلائی کے لیے روکتے ہیں۔ یہی معاملہ شیخ کا مریدین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر کسی معاملے میں ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں تو غلط بات سے روکنا ان کا فرضِ منصبی ہے کہ جس کی جہاں کوئی غلطی دیکھیں، جس طرح کی غلطی ہو اس طرح سے منع کریں کہ ہلکی غلطی ہے تو آرام سے منع کر دیتے ہیں، زیادہ ہے تو اتنی زیادہ جھڑک بھی مل جاتی ہے تو اسے ناراضگی پہ محمول نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں جس بندے کا سلسلے سے تعلق نہیں، عام آدمی ہے، وہ کوئی غلط بات بھی کرے بکواس بھی کرے تو وہ اسے ٹال جاتے ہیں، اس کا جواب نہیں دیتے کہ اس کا میرے ساتھ تعلق ہی نہیں، یہ مجھے جانتا ہی نہیں تو اس کے ساتھ الجھنا فضول ہے۔

منتہی تک سے وساوس کا قطع نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ۔ (المومنون:97)

ترجمہ: اور آپ اس طرح دعا کیا کیجیے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے۔

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منتھین کو بھی وساوس آتے ہیں تو مبتدی ان کے قطع ہونے کی توقع کیسے کرسکتا ہے۔"

فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا آپ دعا کیا کیجیے کہ اے اللہ میں شیطانوں کے وسوسے سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو کامل ترین ولی اللہ ہوتے ہیں ان کو بھی وسوسہ آسکتا ہے تو مبتدی یا ابتدائی اسباق والا کیسے بری ہوسکتا ہے؟ لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ مجھے وسوسے آئیں ہی نہیں۔ وسوسہ آنا بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا، وسوسہ لانا بری بات ہے، خود سوچنا شروع کردینا یہ بری بات ہے۔ نماز میں، ذکر میں، تلاوت میں اگر وسوسہ آئے تو اپنی طرف سے اس وسوسے پر سوچنا یا اس پر وقت ضائع کرنا یہ بری بات ہے۔ بغیر اپنی کاوش کے جو وسوسہ آئے تو اس کی طرف توجہ نہ کرو تو اللہ کریم اسے ختم کردیتے ہیں۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

انتساب الیٰ اولیاء کا نافع ہونا:

قولہ تعالیٰ: فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (المومنون:101)

ترجمہ: باہمی رشتے ناتے اس روز نہ رہیں گے۔

چونکہ یہ کفار کے حق میں ہے اور وعید میں مفہوم مخالفت معتبر ہے۔

"اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو نسبت الی المقبولین خواہ صوری ہو یا معنوی نافع ہوگی اور بزرگوں نے سلسلہ کے برکات میں اس

کی تصریح کی ہے۔"

فرماتے ہیں جس طرح فرمایا گیا کہ اس دن کافروں کے آپس میں کوئی رشتے نہ رہیں گے، کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا۔ تو صوفیاء کے لیے اس میں سبق یہ ہے کہ اچھے لوگوں کو بدکاروں کے ساتھ تعلق نہیں رکھنے چاہئیں۔ دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔

سورة النور

بعض احوال میں مرید سے خاص تعلق نہ رکھنا:

قولہ تعالیٰ: وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ (النور:4)

ترجمہ: اوران کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔

"باوجود توبہ کے ہمیشہ کے لئے عدم قبول شہادت جیسا کہ امام صاحب کا مذہب ہے، بعض مشائخ کی اس عادت کی اصل ہے کہ بعض جنایات پر عفو کردینے کے بعد بھی ان سے خاص تعلق نہیں رکھتے۔ ہاں ان کی خیر خواہی میں اور دوسرے کامل کا پتہ دینے میں جہاں مناسبت کی امید ہو اور امن کی طرف رجوع کرنے کے لئے مشورہ دینے میں کوتاہی نہیں کرتے۔"

یعنی بعض خطائیں ایسی ہوتی ہیں کہ خطا تو معاف ہوجاتی ہے لیکن بندے کا جو ایک معیار یا اس کا پہلا جو مقام و مرتبہ ہوتا ہے وہ نہیں پاسکتا۔ یہ اس قسم کی چیزیں ہوتی ہیں جس میں دین کا یا دینی پیشواؤں کا نقصان کیا جاتا ہے۔ بہت سی خطائیں ہوتی ہیں، کچھ خطائیں اپنی ذات کے لیے ہوتی ہیں، بندے کو خود متاثر کرتی ہیں۔ کچھ خطائیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے جیسے دوسروں کو متاثر کرتی ہیں۔ لیکن کچھ خطائیں ایسی ہوتی ہیں جو اکابر کو مشائخ کو بزرگانِ دین کو متاثر کرتی ہیں۔ تو ایسی خطا سے اللہ سے معافی مانگنی چاہیے، بچنا چاہیے کہ اس کی توبہ یہ ہے کہ توبہ بھی کرلے، جرم معاف ہوجائے لیکن اس کا جو پہلا مقام و مرتبہ تھا وہ بحال نہیں ہوتا۔

منکرین کے معاملہ میں محزون نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: مِّنْكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۚ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ (النور:11)

ترجمہ: اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔

"روح میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ شیوخ کو اس بات پر محزون نہ ہونا چاہیے کہ منکرین ان کے ساتھ تشنیع وانکار سے پیش آویں کہ اس سے ترقی ہوتی ہے۔"

فرماتے ہیں اس میں مشائخ کے لیے ہے کہ منکرین جب ان کی توہین کرتے ہیں یا آوازے کستے ہیں یا طعنے دیتے ہیں تو اس پر انہیں آزردہ نہ ہونا چاہیے کہ منکرین کی اس طعن وتشنیع سے من جانب اللہ انہیں اور ترقی ملتی ہے۔

لوگوں سے حسن خلق رکھنے میں مبالغہ:

قولہ تعالیٰ: لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ (النور:12)

ترجمہ: جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا۔

"اس میں صریح تاکید ہے کہ خبروں میں سخت احتیاط وتحقیق سے کام لینا چاہیے اور یہ اہل اللہ کی عادت لازمہ ہے کہ بعید سے بعید احتمال پر بھی حسن ظن ہی کرتے ہیں۔"

یعنی ہر سنی سنائی بات کو مان نہیں لینا چاہیے بلکہ تحقیق کرنی چاہیے اور تحقیق وتصدیق کے بعد مان لینی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ کسی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جو بات سنے وہی آگے کردے۔ جو کسی سے سنے وہ بلاتحقیق آگے بیان کردے تو کسی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے۔ تو فرماتے ہیں مشائخ کی یہ

عادت ہے کہ حسنِ ظن رکھتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر کسی سے بدظن نہیں ہوتے۔ اس کی اصل یہی آیت ہے کہ جب تک تصدیق نہ ہو اس وقت تک اس خبر کو اہمیت نہ دی جائے۔

شیخ کے خاندان والوں کا زیادہ ادب کرنا:

قولہ تعالیٰ: وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا (النور:16)

ترجمہ: اور تم نے جب اس کو سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے بھی نکالیں۔

"چونکہ اس قصہ میں علاوہ عام گناہ تہمت کے، خاص یہ بات بھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ سے تعرض تھا اور زیادہ انکار کا سبب یہی ہے تو اس بناء پر یہ اس پر دال ہے کہ شیخ کے اہل و عیال کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آنا چاہیے اور ان کو ایذا پہنچانا دوسروں کی ایذا سے زیادہ قبیح ہے۔"

اس آیہ کریمہ میں چونکہ نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچائی گئی اور آپ کی اہلِ خانہ پر الزام اور تہمت لگائی گئی۔ تو وہ فرماتے ہیں تہمت ویسے بھی جرم ہے لیکن جب نبی کریم ﷺ کے خاندان پر لگائی گئی تو یہ بہت بڑا گناہ بن گیا۔ اسی طرح مشائخ کے اہلِ خانہ اور گھر والوں پر الزام تراشی نہیں کرنی چاہیے، احترام و ادب سے پیش آنا چاہیے۔

مدار فضل پر ہونا نہ کہ مجاہدہ پر:

قولہ تعالیٰ: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا (النور:21)

ترجمہ: اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔

"تصریح ہے کہ مدار کار فضل ہے نہ کہ سعی و مجاہدہ۔"

فرماتے ہیں اس آیہ کریمہ میں یہ وضاحت ہے کہ مقامات و مرتبہ یا فضیلت یا ترقی یا رتبہ دینا یہ اللہ کے کرم سے ہے، مجاہدے سے نہیں لیکن مجاہدہ اپنی جگہ ضروری ہے۔ مجاہدہ اطاعتِ الٰہی ہے، ذوق وطلب کا گواہ ہے۔ جس میں طلب ہوتی ہے وہ مجاہدہ کرتا ہے اور مجاہدہ کرنا چاہیے لیکن اپنے مجاہدے پر بھروسہ نہ کرے کہ ثمرات من جانب اللہ ہوتے ہیں، پھل اللہ کی طرف سے لگتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں ایک آدمی باغ لگاتا ہے، پودوں کو کھاد دیتا ہے، رکھوالی کرتا ہے، پانی دیتا ہے لیکن پھل لگانا نہ اس کی محنت کے بس میں ہے نہ اس کے اپنے بس میں ہے۔ جو اللہ چاہتا ہے اتنا پھل لگتا ہے۔ وہ چاہے تو لگے لگائے کو برباد کردے، وہ چاہے تو پودوں پر پھل آئے ہی نہیں، یہ اس کا کام ہے۔ تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ بندہ یہ سمجھے کہ پھل تو اللہ نے لگانا ہے، میں نے پودا لگا دیا اب میں نہ اس کی دیکھ بھال کروں نہ پانی دوں۔ بلکہ مجاہدہ ضرور کرے لیکن مجاہدے پر نہ ناز کرے، نہ فخر کرے نہ اس پر اعتماد کرے کہ ترقی جو ہوگی وہ اللہ کی عطا سے ہوگی۔

مرید کی ہر لغزش پر فیض کو بند نہ کرے:

قولہ تعالیٰ: وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى (النور:22)

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ اہلِ قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں۔

"روح میں ہے کہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ بزرگوں کو مناسب ہے کہ مریدوں کی لغزشوں پر ان سے فیوض کو بند نہ کردیں۔"

فرمایا اس آیہ کریمہ میں ہے کہ اس طرف سلوک کا جو مسئلہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ مشائخ کو چاہیے کہ اگر طالبین سے، مریدوں سے لغزش بھی ہو جائے، غلطی بھی ہو جائے تو مشائخ اس کو روکیں نہیں۔ یہ بڑا عجیب مسئلہ ہے کہ جو برکات شیخ کی طرف سے نصیب ہوتی ہیں وہ ہمیشہ شیخ کے اختیار میں رہتی ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ کبھی بھی

کسی وقت بھی شیخ کا ارادہ یہ ہو جائے کہ میری نسبت سے جو برکات تمہیں نصیب ہوئی ہیں میں وہ واپس لیتا ہوں تو یہ مرنے کے بعد بھی واپس ہو جاتی ہیں۔

میں نے لوگوں کو دیکھا ہے کہ برزخ میں بھی ان کی حالت بدل گئی، بعض کو برزخ میں مشائخ کی توجہ سے ترقی نصیب ہو جاتی ہے اور یہ بھی ایصالِ ثواب کی طرح ہے۔ جس طرح آپ قرآنِ کریم پڑھ کر یا صدقہ دے کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسی طرح شیخ توجہ کر کے اسے ترقی دے سکتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ پسِ مرگ بھی کسی سے یہ کہہ دے کہ جو برکات میری طرف سے تمہیں نصیب ہوئیں وہ ختم، جو تم نے خود کمایا تم جانو تمہارا کام جانے تو وہ ساری چیزیں رخصت ہو جاتی ہیں۔ زندگی تو زندگی رہی۔ یہ عجیب سی اس میں یہ نسبت ہوتی ہے اور عموماً کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ مشائخ کبھی کسی سے فیض نہیں روکتے۔ یعنی روک سکتے ہیں، وہ روکتے نہیں۔ جو بھی ضائع ہوتا ہے عموماً وہ اپنی کوتاہیوں سے اور اپنی غلطیوں کی وجہ سے اس سے محروم رہتا ہے۔ مشائخ روکتے نہیں اور حضرتؒ سختی سے منع فرمایا کرتے تھے کہ کوئی اگر سلسلہ چھوڑ بھی دے، چلا بھی جائے، مخالفت بھی کرے تو اس سے مراقبات سلب نہ کیے جائیں، خود بخود ضائع ہو جائیں وہ اور بات ہے چونکہ جب یہ سلب کیے جاتے ہیں یا واپس لیے جاتے ہیں تو خطرہ یہ ہوتا ہے کہ جب کیفیات سلب ہوتی ہیں تو بیشتر اس کے عقائد اور ایمانیات بھی سلب ہو جاتے ہیں چونکہ یہ بہت گہری ہوتی ہیں اور ان کا تعلق ایمان اور عقیدے سے ہوتا ہے۔ ان کی جڑ عقیدے میں ہوتی ہے تو جہاں سے آپ جڑ اکھیڑیں گے تو ظاہر ہے وہ زمین بھی اکھڑے گی، ڈسٹرب ہو گی تو اگر مشائخ سلب کرنے لگیں تو جس کے مراقبات سلب کیے جاتے ہیں پھر اس کا عقیدہ ٹھیک نہیں رہتا۔

ہمارے سامنے ایک آدمی کے حضرتؒ نے سلب کیے تھے اور وہ بحالتِ مجبوری کیے تھے، وہ لوگوں کو گمراہ کر رہا تھا۔ لوگوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ تھا اور حضرتؒ نے اس کی اصلاح کی بڑی کوشش کی لیکن وہ بہت عجیب آدمی تھا۔ اس کو مشاہدات اس طرح ہوتے تھے کہ وہ مشاہدے کے لیے آنکھ بند نہیں کرتا تھا، بات برزخ کی ہوتی تو ادھر بھی دیکھ رہا ہوتا تھا اور ہمیں بھی دیکھ رہا ہوتا تھا کہ اگر پوچھا جاتا کہ اس کے بارے برزخ کا بتاؤ تو ایسے بتاتا جیسے اُدھر بھی دیکھ رہا ہے اور اِدھر بھی دیکھ رہا ہے۔ مراقبات بھی اسی طرح کے ہوتے اور غالباً اگر مجھے صحیح یاد ہے تو چھٹے عرش تک اس کے مراقبات پہنچ گئے تھے۔ اسے غلطی یہ لگی کہ حضرت جیؒ کو اس نے خط لکھا کہ مجھے ہر پتھر، ہر درخت جدھر سے میں گزرتا ہوں وہ مجھے پکار کر کہتا ہے السلام علیک یا غوث، حضرتؒ نے اسے لکھا میں تمہارا شیخ ہوں میں تمہارا استاد ہوں، میں نے تمہیں یہ نعمت تفویض کی ہے، میری نسبت سے تمہیں نصیب ہوئی ہے تو میرے پاس ابھی کوئی منصب نہیں آیا تم غوث کیسے بن گئے؟ غوث تو بہت بڑا منصب ہے، تو تمہارے مشاہدات کی وجہ سے شیطان تمہیں یہ دھوکا دے رہا ہے۔ جس درخت، جس پتھر سے تمہیں آواز آتی ہے اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی شیطان ہے جو تمہیں آواز دے رہا ہے، اس سے بچ جاؤ۔ اس بات پر اس نے قیل وقال شروع کر دی۔ جواب دیا کہ نہیں ایسا نہیں، ایسا ہوتا ہے۔ تو حضرتؒ نے فرمایا میرے بھائی یہ جو کچھ تیرے پاس ہے اگر میں چاہوں تو یہ سارا بھی ختم ہو جائے تو تم قیل وقال کیوں کر رہے ہو۔ اس نے پھر خط لکھا، مدت کی بات ہے جیسا مجھے یاد ہے میں عرض کر رہا ہوں۔ اس نے پھر لکھا کہ بارگاہِ الٰہی کے دروازے مجھ پر کھل چکے ہیں اور عرشِ عظیم کے دروازے کھل چکے ہیں اب انہیں کوئی بند نہیں کر سکتا۔ اس پر حضرتؒ ناراض ہوئے اور آپ نے جواباً لکھا تم بند کرنے کی بات کرتے ہو، یہ تو ایسے توڑ کر تباہ کر دیئے جائیں گے کہ تمہارا ان سے کوئی تعلق اور رشتہ ہی نہیں رہے گا۔ چنانچہ جب حضرتؒ کا ارادہ اس طرح کا ہوا تو اس کے احوال سلب ہو گئے، بالکل کورا خالی ہو گیا، نہ کشف رہا نہ مشاہدہ رہا نہ مراقبات رہے۔

پھر ایک دفعہ میں حضرت جیؒ کی خدمت میں تھا کچھ عرصہ بعد، سال ڈیڑھ سال بعد میرے سامنے وہ آیا، اس کے پاس ایک بوسکی کے کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا قمیص تھی یا سوٹ تھا بوسکی رنگ کا تھا، مجھے

رنگ بھی یاد ہے آج تک ۔ وہ اس نے حضرتؒ کو پیش کیا۔ کچا مکان ہوتا تھا حضرت اس میں تشریف فرما تھے۔ وہ کہنے لگا حضرت میں جہاں تک پاکستان میں مجھے کسی بزرگ یا کسی گدی کا پتا چلا ہے میں ممکن حد تک ہر جگہ سے ہو کر آ گیا ہوں تو ہر جگہ دعائیں بھی ہیں، وظیفے اور تسبیحات بھی ہیں لیکن یہ چیز کہیں نہیں، تو آپ مجھ پر کرم فرمائیں، مہربانی کریں اور مجھے واپس قبول فرمالیں۔ آپؒ نے فرمایا میں تو ناراض بھی نہیں ہوں اور میرا کام جو ہے تربیت کرنا ہے لیکن جو کچھ تمہارے پاس تھا تم نے تباہ کر دیا، اب تم سمجھتے ہو وہ سب کچھ جو ضائع ہو گیا ہے پھر واپس مل جائے ایسا ممکن نہیں ہے۔ اگر تم میں ہمت ہے تو پھر الف ب سے، پہلے لطیفے سے شروع ہو جاؤ اللہ کو منظور ہو گا تو پھر مل جائے گا لیکن یہ سمجھنا کہ جو کچھ چلا گیا ہے وہ ویسے واپس آ جائے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ بات اس کو پسند نہ آئی وہاں سے تو خاموشی سے چلا گیا پھر واپس حضرتؒ کے پاس نہیں آیا۔

میں نے پھر اسے دیکھا تو نہیں لیکن اس کے بارے سنا ہے، مہر علی شاہ اس کا نام تھا۔ وہ بندہ ایسا نیک تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص کو یہاں نور پور جنات نے بڑا تنگ کیا تو میں اسے پکڑ کر حضرت جیؒ کی خدمت میں لے گیا۔ حضرت جیؒ نے توجہ دی تو ٹھیک ہو گیا، فرمایا اسے مہر علی شاہ کے پاس چھوڑ آؤ۔ چالیس دن وہاں رہے ٹھیک ہو جائے گا۔ تو میں نے اس کے بھائی سے کہا کہ اسے مہر علی شاہ کے پاس چھوڑ آؤ، وہ سرگودھا کے ایک گاؤں میں رہتے تھے وہ چھوڑ آیا تو تیسرے دن وہ شخص واپس آ گیا۔ میں نے کہا تمہیں تو حضرتؒ نے کہا تھا چالیس دن وہاں رہو، اس نے کہا اس نے مجھے بھگا دیا۔ میں نے حضرتؒ سے شکایت کی کہ شاہ جی نے تو اسے بھگا دیا تو حضرتؒ نے پوچھا تو وہ کہنے لگا حضرت یہ سارا دن وضو ہی کرتا رہتا ہے، باوضو رہ نہیں سکتا میں ایسے بندے کو پاس نہیں رکھ سکتا۔ اس کی اپنی عادت تھی تہجد کے لیے اٹھتا اور وضو کرتا تھا اور پھر فجر تا ظہر اسی وضو سے رہتا اور پھر عصر کے وقت وضو کرتا تو عشاء سونے تک اسی وضو میں رہتا تھا، دن میں دو دفعہ وضو کرتا اور سارا دن وضو رہتا اور سارا دن تلاوت یا سجدے یا نماز یا ذکر اذکار مراقبات اس کا کام تھا۔ اس نے کہا یہ جو بار بار وضو کرتا ہے، میں ایسے بندے کو اپنے کمرے میں نہیں رکھ سکتا تو میں نے بھگا دیا۔ پھر جب وہ سلسلے سے چلا گیا تو اس کے بعد میں نے نہیں دیکھا لیکن ساتھیوں سے سنا کہ اللہ کے وجود کا بھی منکر ہو گیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ کوئی خدا نہیں ہے **نعوذ من ذلك**۔ یہ سب بناوٹ بنی ہوئی ہے، یہ پتھر بھی خدا ہے، یہ لوٹا بھی خدا ہے، یہ دروازہ بھی خدا ہے۔ جب کسی کے مراقبات سلب کیے جائیں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس سے حضرتؒ نے سلب بھی اس وجہ سے کیا تھا کہ وہ دوسروں کو گمراہ کر رہا تھا۔ پہلے غوثیت منوا تا پھر شاید مرزا قادیانی کی طرح نبوت تک چلا جاتا چونکہ شیطان کے رستے پر چل پڑا تھا۔ تو اس سے روکنے کے لیے اس ایک آدمی کے احوال حضرت نے سلب کیے تھے وگرنہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ چھوڑ دیا جاتا ہے، اس سے توجہ روک لی جاتی ہے تو اس سے از خود آہستہ آہستہ ختم ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص کو حضرتؒ نے سلسلے سے نکالا تو پھر وہ کہا کرتا تھا مجھے کچھ نہ کچھ مشاہدات تو اب بھی ہوتے ہیں اس میں سلسلے کا کیا کمال ہے تو میں نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح وہ کہتا ہے تو کیا اسے مشاہدات ہوتے ہیں؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو کافی دیر تک روشنی رہتی ہے لیکن پھر رات آ جاتی ہے۔ اگر سلب نہ کیے جائیں، چھوڑ دیئے جائیں تو پھر جس طرح سورج غروب ہونے کے بعد مغرب میں تھوڑی سی روشنی رہتی ہے پھر آہستہ آہستہ تاریکی چھا جاتی ہے تو کچھ نہ کچھ اسے نظر آتا رہے گا دو چار دس دن مہینہ دو مہینے پھر آخر تاریکی چھا جائے گی۔ یہ اس لیے ہے کہ اگر سلب کروں تو خطرہ ہے کہ شاید اس کا ایمان بھی چلا جائے تو بہتر ہے آہستہ آہستہ یہ ختم ہو جائیں۔ تو یہ بہت نازک معاملہ ہے اور اس میں مشائخ کی عادت ہے کہ وہ فیوض کو روکتے نہیں۔ اگر کسی کو کم ملتا ہے تو دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک طرف سے یہ بجلی آ رہی ہے ایک طرف ہم وصول کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے زیرو کا بلب لگایا ہوا ہے تو روشنی تھوڑی ہوگی، وہیں سو واٹ کا لگا دیا ہے تو جگمگ جگمگ ہونے لگے گا۔ بجلی تو وہی ہے جو آ رہی ہے تو وصول کرنے والے یعنی ریسیونگ اینڈ (Recieving end) پر جو استعداد ہوتی ہے اتنی چیز ملتی ہے۔

اکرم التفاسیر

سورۃ سبا آیات 10 تا 17

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ وَالطَّیْرَ ۚ

اور یقیناً ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنی طرف سے بزرگی بخشی تھی (کہ اے پہاڑو ان کے ساتھ تسبیح کیا کرو اور پرندوں کو

وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ ۝١٠ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی

(مسخر فرمایا) اور ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم فرما دیا۔ کہ کشادہ زرہیں بنائیں اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑیں

السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝١١ وَلِسُلَیْمٰنَ

اور نیک کام کریں۔ بے شک ہم تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہے ہیں ○ اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے

الرِّیْحَ غُدُوُّہَا شَہْرٌ وَّرَوَاحُہَا شَہْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا

ہوا کو (مسخر فرما دیا) کہ اس (ہوا) کی صبح کی منزل ایک مہینہ بھر کی (راہ) ہوتی تھی اور اس کی شام کی منزل

لَہٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ

ایک مہینہ بھر کی (راہ) ہوتی تھی اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور جنات میں سے بعضے وہ تھے

یَدَیْہِ بِاِذْنِ رَبِّہٖ ۭ وَمَنْ یَّزِغْ مِنْہُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْہُ مِنْ عَذَابِ

جو ان کے پروردگار کے حکم سے اُن کے آگے کام کرتے تھے اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے

السَّعِیْرِ ۝١٢ یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ

گا تو اس کو ہم (جہنم کی) آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ان کے لئے وہ چیزیں جو وہ بنوانا چاہتے، بناتے

کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا ۭ

تھے (جیسے) بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں (جو) ایک

وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ ۝١٣ فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْہِ

ہی جگہ رکھی رہیں۔ اے داؤد (علیہ السلام) کی اولاد (میرا) شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں شکرگزار

الْمَوْتَ مَا دَلَّہُمْ عَلٰی مَوْتِہٖٓ اِلَّا دَآبَّۃُ الْاَرْضِ تَاْکُلُ مِنْسَاَتَہٗ ۚ

تھوڑے ہیں۔ پھر جب ہم نے ان کے لئے موت کا حکم صادر فرمایا تو (جنات کو) کسی چیز سے اُن کے مرنے

فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ

کی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ گھن کے کیڑے نے جو اِن کے عصا کو کھاتا رہا۔ سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو

الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُہِیْنِ ۝١٤ لَقَدْ کَانَ لِسَبَاٍ فِیْ

حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے یقیناً سبا (کی قوم) کے

مَسْکَنِہِمْ اٰیَۃٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ

لئے ان کے وطن میں نشانی (موجود) تھی (یعنی) دو باغ (ایک) دائیں اور (ایک) بائیں طرف۔ اپنے پروردگار کے

رَبِّکُمْ وَاشْکُرُوْا لَہٗ ۭ بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝١٥ فَاَعْرَضُوْا

دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ (کیا) عمدہ شہر اور بخشنے والا پروردگار (اللہ) سو انہوں نے سرتابی

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْہِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰہُمْ بِجَنَّتَیْہِمْ جَنَّتَیْنِ

کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا اور ہم نے ان کے ان دو رویہ باغات کو ان دو باغوں میں بدل دیا

ذَوَاتَیْ اُکُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ۝١٦ ذٰلِکَ جَزَیْنٰہُمْ

جن میں (یہ چیزیں رہ گئی تھیں) بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری۔ یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کی

بِمَا کَفَرُوْا ۭ وَہَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْکَفُوْرَ ۝١٧

سزا دی اور ہم ناشکرے کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اَللّٰہُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمٖ۔

ہم نے اپنی طرف سے داؤد علیہ السلام کو بہت بزرگی، بہت بڑا مقام اور بہت بڑا مرتبہ بخشا تھا یہاں تک کہ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ وَالطَّیْرَ ۚ (سورۃ سبا:10)۔۔۔ ہم نے پہاڑوں کو بھی حکم دیا کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ ذکر کیا کریں، تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی۔

جب آپؑ تسبیح کرتے تھے تو ان کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے اور حیوانات پرندے بھی تسبیح کرتے تھے۔

یوں تو ہر شئے اللہ کریم کی تسبیح کرتی ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (بنی اسرائیل: 44)۔۔۔ کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو، کیونکہ کائنات کی ہر چیز کا مدارِ حیات ہی اللہ کی تسبیح پر ہے، جو اس سے غافل ہوتی ہے مٹ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی یہ تسبیح تو کسی دوسرے کو سمجھ نہیں آتی ہر لحہ، ہر آن، ہر پتا، ہر ذرہ، ہر قطرہ، ہر چیز ذکر کر رہی ہے لیکن کسی کو پتا نہیں چلتا۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ جب پہاڑ اور پرندے ذکر کیا کرتے تھے تو عام آدمی بھی ان کا ذکر سنتا تھا، یعنی زبانِ حال سے نہیں، آواز سے، زبانِ قال سے ذکر کرتے تھے۔

یہ جو کچھ اس طرح کے مقام آتے ہیں تو یہ آج کل کے روشن خیالوں پہ بڑے گراں گزرتے ہیں اور پھر وہ ان کی بڑی عجیب وغریب تشریحات اور مختلف تصریحات کرتے ہیں اور بہانے تراشتے ہیں کہ اُنؑ کی آواز بہت اچھی تھی، یوں پتا چلتا تھا جیسے پہاڑ جھوم رہے ہیں تو اسے قرآن نے ذکر کہہ دیا۔ قرآنِ کریم کوئی بات روایتی نہیں فرماتا، قرآن جو فرماتا ہے وہ حق ہے۔ قرآن حکیم اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ جو ارشاد ہوتا بعینہٖ ویسا ہی ہوتا ہے، وہ عین حق ہوتا ہے۔ جب پہاڑوں کو حکم دیا کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ ذکر کیا کرو تو وہ ذکر کرتے تھے، تو واقعی پہاڑ ان کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور ایسا ذکر کرتے تھے کہ عام آدمی بھی سن سکتا تھا۔ اسی طرح پرندوں کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ ذکر کریں، اور یہ ان کی بزرگی کی دلیل ہے۔ فرمایا: ہم نے داؤد علیہ السلام کو بہت بزرگی عطا کی تھی کہ پہاڑوں کو بھی حکم دیا اور پرندوں کو بھی کہ ان کے ساتھ ذکر کیا کریں۔ مفسرینِ کرام یہاں فرماتے ہیں کہ کسی کے ساتھ اگر بہت سے لوگ ذکر میں شامل ہو جائیں تو یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے، یہ اس کی رحمت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ کوئی ذکر کرتا ہے، خود بھی کرتا ہے تو یہ اللہ کی مہربانی ہے اللہ کی رحمت ہے لیکن اگر اس کے ساتھ بہت سے لوگ شریک ہوتے جائیں تو یہ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے اور یہ اس کا بہت بڑا کرم ہے۔

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ۔۔۔ اور ان کے لیے لوہے کو ہم نے نرم کر دیا تھا اور حکم دیا: اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ۔۔۔ اور انہیں لوہے کے لباس بنانے کا حکم دیا جنہیں زرہ کہا جاتا ہے۔ جب دست بدست جنگ ہوتی تھی تلواروں، کی تو زرہیں پہنی جاتی تھیں۔ آج کل بندوقوں، گولیوں کا زمانہ ہے تو آج کل وہ لائف جیکٹس آگئی ہیں جو پہنی جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ زرہ کے موجد داؤد علیہ السلام ہیں اور انہی سے علم منجانب اللہ عطا ہوا۔ لوہا ان کے ہاتھ میں نرم ہو جاتا تھا اور انہیں حکم دیا اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ۔۔۔ کہ آپ زرہیں بنائیں۔ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ۔۔۔ اور ان کے جو حلقے سے جو بناتے ہیں کیونکہ وہ سارے دائرے، دائرے سے مل کر ایک جال سا بنا ہوتا ہے، تو وہ خوبصورت بنائیں اندازے سے بنائیں، ایک جیسے اور خوبصورت بنائیں۔ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔۔۔ لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ آپ زرہیں بنائیں۔ اللہ کریم نے انہیں زرہیں بنانا سکھا دیا اور یہ زرّہ بکتر ایجاد ہے داؤد علیہ السلام کی، سب سے پہلے انہوں نے یہ بنائی اور حکم دیا انہیں خوبصورت انداز میں بنائیں۔ میں وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ۔۔۔ ان کے کنڈوں میں، ان کے کڑوں میں توازن رکھیں یعنی خوبصورت کر کے بنائیں۔ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔۔۔ اور نیک عمل کریں، نیکی کریں، تو یہاں مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کی پیدا کردہ چیزوں سے تحقیق کر کے، انسانی بہتری کے لیے کچھ ایجاد کرنا اور اسے لوگوں کے لیے عام کرنا، اگر ایمان ہو تو یہ بجائے خود عبادت ہے۔ دنیا کی بہترین اور بڑی بڑی ایجادات تاریخ میں تلاش کی جائیں تو سب مسلمانوں نے کی ہیں، اہلِ مغرب نے ان ایجادات کو مزید بنا سنوار کر انہیں اپنے نام کر لیا اور تاریخِ اسلام کو چھپا دیا گیا ورنہ یہ جتنے کمالات آپ کو نظر آتے ہیں ان کے موجد بنیادی طور پر مسلمان ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ مخلوق کی بہتری کے لیے، اللہ کی پیدا کردہ اشیاء کو جوڑ کر کوئی چیز بنانا، جس سے لوگوں کا بھلا ہو، یہ نیکی ہے اور بجائے خود عبادت ہے۔ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔۔۔ تم جو کچھ کرتے

ہو میں اسے دیکھ رہا ہوں، کس ارادے سے کرتے ہو، کس نیت سے کرتے ہو، لوگوں کی بہتری کے لیے کرتے ہو یا تمہاری نیت میں کوئی فتور ہے یا لوگوں کو دھوکا دے کر پیسے بٹورنا چاہتے ہو۔ جیسی نیت ہوگی فرمایا: اللہ کے روبرو کر رہے ہو تو اس پر نتائج ویسے مرتب ہوں گے جیسا تمہارا اخلوص ہوگا، جیسے تمہاری نیت وارادہ ہوگا، جو چیز تمہارے دل میں ہوگی، چونکہ اللہ کریم سے تو کچھ چھپا ہوا نہیں ہے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۔۔۔ اور سلیمان علیہ السلام، ان کے تو ہم نے ہوا تابع کر دی جو انہیں سفر کراتی تھی ایک مہینے کی راہ صبح طے کر لیتے تھے اور مہینہ بھر کی راہیں شام کو طے کر لیتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کے سفر جو ہیں وہ ایسے ملتے ہیں کہ لاؤ لشکر، اپنی فوج اور ہمراہیوں سمیت سفر کرتے تھے، جس میں حیوانات بھی ہوتے تھے، گھوڑے دیگر جانور، پرندے، جنات اور انسان بھی ہوتے تھے۔ گویا ہوائی جہاز کی ایجاد جو ہے یہ سلیمان علیہ السلام نے کی ہے اور آج بھی ہوائی جہاز کی فلاسفی یہ ہی ہے کہ ہوا اُسے اڑاتی ہے۔ ہوائی جہاز کے انجن میں ایسا نظام ہوتا ہے جو باہر سے کھلی ہوا کو کھینچ کر اسے زور سے پیچھے سے نکالتے ہیں اور وہ اسے آگے PUSH کرتی ہے۔ اسی پر اڑتا ہے تو فرمایا: انہیں انجن بنانے کی ضرورت نہیں تھی، ہم نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، اور وہ مہینہ بھر کا سفر صبح اور مہینہ کا شام کو یعنی دو مہینوں کا سفر ایک دن میں، دن کو آرام کر کے بھی طے کر لیا کرتے تھے۔ اب اس کی شکل کیا تھی، وہ کتنا بڑا ہوتا تھا کہ اس میں ان کا سارا لاؤ لشکر بھی آجاتا تھا۔ ایک ہی ہوتا تھا یا بہت سے ہوتے تھے، متعدد ہوتے تھے جن میں ان کی ساری فوج، لاؤ لشکر سما جاتا تھا اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ لیکن بہرحال اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا تھا، اسے حکم دیتے تھے اور وہ اڑا لیتی تھی۔ آج بھی ہوائی جہازوں کو صرف ہوا اڑائے پھرتی ہے، ہوائی جہاز کے جتنی قسم کے بھی انجن ہیں وہ صرف ہوا کو آگے سے کھینچ کر پیچھے نکالتے ہیں اور اسی پر جتنی طاقت کی ہوا ہوتی ہے، جس زور سے نکالتے ہیں، ان کی رفتار یا ان کی طاقت کا مدار ہے۔

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۔۔۔ اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا۔ زمین سے تانبہ چشمے کی طرح پگھلا ہوا ابلنا شروع ہو گیا اور پھر: وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۔۔۔ اور جنات میں سے جس کسی نے ہمارے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور اس سے سر پھیرا اسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ گویا سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا، وہ ان کے لشکر کو اڑائے پھرتی تھی اور تانبے کا چشمہ بہا دیا، جنات کو تابع کر دیا۔ آپؑ ان سے کام لینے پر قادر تھے، جو خوشی سے نہیں کرنا چاہتے تھے ان سے زبردستی بھی بیگار لینے پر قادر تھے لیکن جو انکار کرتے یا جن سے زبردستی کی جاتی انہیں جہنم کا عذاب بھی ہوگا۔ جو اُن کی اطاعت نہیں کریں گے، انہیں جہنم کا عَذَابِ السَّعِيْرِ ۔۔۔ آگ کا عذاب، جہنم کے دردناک عذاب کا انہیں مزہ چکھنا پڑے گا۔ تو جنات ان کے بہت سے کام کرتے تھے، ان کی غلامی کرتے تھے۔ قرآنِ کریم نے بھی اس کی لمبی تفصیل دی ہے۔ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۔۔۔ ان کے لیے جو حکم وہ دیتے، جو کچھ وہ بنوانا چاہتے وہ بناتے تھے۔ جنات، بڑی بڑی عمارتیں، محلات، قلعے جو حکم دیتے وہ جنات تعمیر کر دیتے تھے۔ وَتَمَاثِيْلَ ۔۔۔ مورتیاں ان کی شریعت میں جائز ہوں گی تو بہت خوبصورت مورتیاں تراشتے اور بناتے تھے۔ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ ۔۔۔ اور ایسے بڑے بڑے لگن جیسے تالاب تھے، جس میں سارا لاؤ لشکر کھانا کھاتا یا سب کے لیے بڑی بڑی دیگیں، وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۔۔۔ اور اتنی بڑی بڑی دیگیں بناتے جو اپنی جگہ سے ہلائی نہیں جا سکتیں تھیں۔ جن میں کھانا پکتا تھا اور بڑے بڑے لگن ہوتے تھے جن میں کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ حوض اور تالاب جیسے بڑے بڑے لگن اور اتنی بڑی بڑی دیگیں کہ انہیں ہلایا نہیں جا سکتا تھا۔ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۔۔۔ اے آل داؤد، اے داؤد علیہ السلام کی اولاد: میرا شکر ادا کرو۔ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۔۔۔ اور شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہوتے ہیں، میرے بندوں میں بہت کم ہیں جو شکر ادا کرتے ہیں۔ جن بھی سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیئے تھے جو انؑ

کی خدمت بھی کرتے تھے، ان کے لیے محلات بناتے تھے، قلعے بناتے تھے، بڑے بڑے برتن بناتے تھے۔ سمندروں دریاؤں میں سے جواہرات موتی نکال لاتے تھے، پہاڑوں میں سے ہیرے تراش کے لے آتے تھے۔ تو فرماتے ہیں کہ جنات کا کسی کی خدمت کرنا یا کسی کا کام کر دینا یہ بعد میں صحابہ کرامؓ سے بھی ثابت ہے، انبیاءؑ کی خدمت تو یہاں سے ثابت ہوگئی۔ تفسیر سراج منیر میں صاحب تفسیر نے نام مبارک گنوائے ہیں، سیّدنا عمرؓ بن الخطاب، ابوایوب انصاریؓ، زیدؓ بن ثابت، معاذؓ بن جبل، ابیؓ بن کعب اور حضرت ابوہریرہؓ۔ بہت سے صحابہؓ اور بھی تھے جنات جن کے ذاتی کام کر دیا کرتے تھے۔

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیعؒ نے لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے کام جو جن کرتے تھے اس کے لیے وہ کوئی وظیفہ نہیں پڑھتے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کو کوئی وظیفہ دیا گیا اور جن انؑ کی اطاعت کرتے۔ ایسی بات نہیں تھی، وہ اللہ کے حکم سے آپؑ کے تابع ہو گئے تھے۔ انؑ کی بات وہ ٹال سکتے ہی نہیں تھے۔ جو خوشی سے مانتا تھا اللہ اسے بخش دیتے تھے، جو بے دلی سے مانتا تھا، اُسے اس بے دلی کا عذاب دیا جائے گا۔ لیکن انکار کوئی جن نہیں کر سکتا تھا۔ ماننا اسے بھی پڑتی تھی کیونکہ وہ ان کے تابع کر دیئے گئے تھے۔ تو بغیر کوئی وظیفہ پڑھے، بغیر کوئی چلّہ کاٹے، بغیر کوئی خاص کلمات پڑھے اگر جن کسی کا کام کر دیتے ہیں تو یہ انبیاءؑ سے صادر ہو تو معجزہ ہے، اولیاء سے صادر ہو تو کرامت ہے۔

اس لیے کہ جن میری بات مانے یا جن میرا کام کر دے وظیفہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ جنّوں کو مسخر کرنے کے لیے چلّے کاٹنا وظیفے پڑھنا یہ جائز نہیں ہے۔ اس کے مختلف مدارج ہیں، پہلا درجہ تو اس کا یہ ہے کہ عموماً شیطان کی بنائی ہوئی باتیں ہوتی ہیں جو عامل پڑھتے ہیں اور وہ کفریہ باتیں ہوتی ہیں اور ان کے پڑھنے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے، بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ پھر یہ شیاطین اور جن اس کے تابع نہیں ہوتے، اس سے ملتے ہیں، اس کے پاس آتے ہیں، اس کے کہنے پر چھوٹا موٹا جو ہو سکتا ہے کام بھی کر دیتے ہیں۔ دراصل اسے ذریعے بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور لوگوں کے عقائد خراب کرتے ہیں۔ عامل سمجھتا ہے کہ جن میرے تابع ہیں لیکن اصل میں شیاطین اور جنات نے اسے اپنے تابع کر رکھا ہوتا ہے اور اس کے ذریعے سے بے شمار لوگوں کے ایمان تباہ کرتے ہیں، کردار تباہ کرتے ہیں، برائیاں کراتے ہیں، گناہ پھیلاتے ہیں۔ تو کوئی ایسے جملے جن میں کفر ہو، ان کا چلّہ کاٹنا، وظیفہ پڑھنا کفر ہے۔ کوئی ایسا کلام جس کے معنی آپ نہیں جانتے اس کا پڑھنا حرام ہے۔ کیا خبر اس کے معنی میں کفر ہے، شرک ہے، کیا پوشیدہ ہے؟ تو اس کا پڑھنا بھی حرام ہے اور سرے سے یہ عمل کرنا اس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ اللہ کی ساری مخلوق کو اللہ نے آزاد پیدا کیا ہے، کوئی کسی کا غلام نہیں، سب اللہ کے غلام ہیں۔ اللہ کی اطاعت سب کو کرنی ہے اور جو جو طریقے اللہ نے عطا فرمائے ہیں اس کے مطابق رہنا ہے۔ پھر آخر میں علماء فرماتے ہیں کہ کلام جائز ہو، جیسے قرآن کی کچھ آیات ہوں یا کوئی سورۃ ہو، کلام جائز ہو اور اس غرض سے پڑھی جائے کہ اس کے پڑھنے سے جنات کے شر سے خود بچا جائے یا دوسرے لوگوں کو ان کے شر سے بچایا جائے تو یہ جائز ہے لیکن پھر اس پر بھی لکھتے ہیں کہ اسے پیشہ بنانا حرام ہے یعنی یہ جائز ہے جو کلام آپ پڑھتے ہیں، وظیفہ پڑھتے ہیں، اس کا مفہوم درست ہو یا وہ قرآن یا حدیث میں سے ہو۔ وہ پڑھنا جائز ہو اور اس سے جنات کو آپ بھگا سکیں یا لوگوں کو تکلیف سے نجات دلا سکیں تو یہ جائز ہے کہ اپنی حفاظت کر سکیں یا لوگوں کی حفاظت کر سکیں، لیکن اسے پیشہ بنانا اور اس پر لوگوں سے اجرت لینا پھر حرام ہے۔ یعنی یہ پیشہ نہیں ہے کہ جنات قابو کئے جائیں اور ان کے ذریعے دولت کمائی جائے، یہ حرام ہے، یہ جائز نہیں ہے۔ کچھ لوگ ویسے ہی ایسے وظیفے پڑھتے ہیں کہ جنات آ کر رقم رکھ جاتے ہیں کہ جی ہم مصلّے پر بیٹھے ہیں مصلّے کے نیچے سے پیسے نکل آتے ہیں۔ جنات نے کوئی ٹکسال لگائی ہوئی ہے یا ان کے باپ کا کوئی پریس ہے کہ وہاں سے چھپوا کے لے آتے ہیں اگر جنات لاتے بھی ہیں تو میرے آپ کے اٹھا کے لے آتے ہیں، کسی اور کے اٹھا کر آپ کے مصلّے کے نیچے رکھ دیں وہ پھر حرام ہو گئے۔ لوگوں سے اجرت لینا بھی حرام ہے کہ یہ تعویذ دوں گا اس سے آپ جن سے ٹھیک ہو جائیں گے اس کے مجھے آپ پیسے دیں، یہ پیشہ بنانا حرام ہے۔ علاج کی اجرت حلال ہے اور یہ بھی علاج ہے لیکن

اس میں چونکہ وہ وظائف اور چلّے آجاتے ہیں اس لیے اسے پیشہ بنانے کو حرام قرار دے دیا گیا، یہ حرام ہے، یہ کوئی جائز پیشہ نہیں ہے، دولت کمانے کا یہ ذریعہ نہیں ہے۔

دولت کمانے کے صرف چار معروف ذرائع ہیں، تجارت، ملازمت، مزدوری، کاشتکاری، پانچواں کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو روزی کمانے کا ہو، باقی ہیر پھیر ہے اور وہ جائز نہیں ہے۔ تو اسے پیشہ بنالینا جیسے آج کل کے عامل بیٹھے ہیں اور وہ لوگوں سے پیسے لے کر عیش کر رہے ہیں۔ کوئی ان کی بات نہ مانے تو ان کے پیچھے جن لگا دیتے ہیں۔ سنتے رہتے ہیں ہم نے کبھی دیکھا تو نہیں، لوگ کہتے ہیں، میں فلاں پیر کے پاس جاتا تھا تو اب میں یہاں اللہ اللہ کرتا ہوں تو اس نے میرے پیچھے جن لگا دیا۔ میں نے کہا بھئی جن لگائے یا دیو لگائے تمہارا یہاں کچھ نہیں بگڑے گا، اللہ اللہ کرو کچھ نہیں بگڑے گا۔ جن لگائے یا دیو لگائے، چونکہ یہاں اللہ کا نور ہوتا ہے۔ یہاں جنات اور شیاطین آ نہیں سکتے، وہ برداشت ہی نہیں کر سکتے اور یہ اللہ کا احسان ہے۔ جن لوگوں نے اسے پیشہ بنایا ہوا ہے اور سمجھتے ہیں کہ جی ہم نے یٰسین شریف پڑھی تو جن قابو ہو گیا۔ میاں یٰسین شریف جنات تابع کرنے کے لیے پڑھنا حلال، جائز نہیں ہے۔ قرآنِ کریم زندگی کی کتاب ہے، اسے ماننا، اسے پڑھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ وہ نصاب حیات ہے کہ کیسے جینا ہے کیسے مرنا ہے، زندگی کس طرح بسر کرنی ہے، کس طرح کے تعلقات کس فرد سے ہوں گے، والدین سے، اولاد سے، دوستوں سے، دشمنوں سے، رشتہ داروں سے قوم سے، ملک سے، بین الاقوامی وہ پورے نظام کو زیر بحث لاتی ہے۔ اسے سمجھنا، اس پر عمل کرنا یہ زندگی کا مقصد ہے۔ یہ کوئی جادو کی کتاب نہیں ہے۔ آپ اسے الٹ پلٹ پڑھتے ہیں تو یہ شیطان کرواتا ہے، ایک تو قرآن میں تحریف کرے گا، عجیب عجیب چکمے دیتا ہے، الٹی آیات لکھیں گے، مرغ کے خون سے، دم مسفوح سے جو حرام ہے، حرام سے کیا لکھوانا۔ مرغ ہے آپ اسے حلال کرتے ہیں جو خون نکلتا ہے وہ تو حرام ہے، دم مسفوح تو حرام ہے، جو خون بہتا ہے وہ تو حرام ہے آپ اس سے قرآن لکھ رہے ہیں۔ معاذ اللہ! یہاں تک سنا گیا کہ پیشاب سے قرآنی آیات لکھتے ہیں تو یہ سب حرام کام ہے اور ایسے لوگ نفرت کے قابل ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے گمراہ لوگ، ایسے لوگوں کو بزرگ بنا لیتے ہیں، پیر بنا لیتے ہیں، شیرینیاں دیتے ہیں اور ان کے دروازے پہ دھکے کھاتے رہتے ہیں۔ نتیجتاً گمراہ ہوتے ہیں، عقائد خراب ہوتے ہیں، کردار خراب ہوتے ہیں، عاقبت خراب ہوتی ہے، قبر خراب ہوتی ہے۔

فرمایا: ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا۔ سلیمان علیہ السلام کا صبح کا سفر مہینہ بھر کا ہو جاتا تھا اور شام کو مہینہ بھر کا پھر کر لیتے تھے یا واپسی کا کر لیتے ہوں گے۔ اور تانبے کا ہم نے ان کے لیے چشمہ بہا دیا اور جنات کو ان کے تابع کر دیا، اللہ کے حکم سے کہ وہ ان کا حکم مانتے تھے، ان کی خدمت کرتے تھے۔ اگر جنات میں سے کوئی سرتابی کرتا تو اسے اللہ کی طرف سے عذاب ملتا۔ پھر آپؑ جو چاہتے، جو حکم دیتے وہ ان کے لیے کرتے۔ بڑے خوبصورت بڑے بڑے، سلیمان علیہ السلام نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنوائے، محلات بنوائے خوبصورت عمارتیں بنوائیں۔ مَّحَارِيبَ --- بڑی خوبصورت عمارتیں وَتَمَاثِيلَ --- اور خوبصورت مورتیاں۔ یہاں یہ بحث بھی آجاتی ہے تصویر حرام ہے یا حلال۔ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تو تمثیل بھی حلال تھی۔ تمثیل ہوتی ہے کہ جو مجسم بنایا جاتا ہے، تھری ڈائمینشن چیز ہوتی ہے، طول، عرض یا اونچائی جس کی ہوتی ہے۔ جس کی لمبائی، چوڑائی، اونچائی ہو وہ بت ہو سکتا ہے یا مورتی ہو سکتی ہے۔ تو ان کے زمانے میں، ان کی شریعت میں جائز ہوگی تب ہی ان کے لیے جنات بناتے تھے اور تصویریں بھی۔ تختِ سلیمان علیہ السلام پر، تفاسیر میں ذکر ملتا ہے کہ موروں وغیرہ کی تصاویر ان کے تخت پر بنی ہوتی تھیں۔

ہمارے ہاں اسلام میں مورتی کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا گیا۔ شریعت میں کسی طرح بھی مورتی بنانا جائز نہیں ہے۔ تصویر کے معاملے میں علماء کے دو طبقے ہیں، ایک تو کہتے ہیں جس طرح مورتی بنانا جائز نہیں ہے اسی طرح تصویر بھی جائز نہیں ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے کہ مورتی بنانا حرام ہے، تمثیل حرام ہے مگر تصویر پر حرمت نہیں ہے۔ پھر تصویر کے لیے شرط یہ ہے کہ جس میں زندہ رہا جا سکے یعنی بندے کی

پاؤں سے سر تک تصویر ہوگی تو وہ تصویر ہوگی۔ اگر یہ پیٹ سے اوپر اوپر جیسی یہ شناختی کارڈ پہ لگی ہوتی ہے یا جیسی نوٹ پہ بنی ہوئی ہے یہ تصویر کے سرے سے حکم میں ہی نہیں آتی، کسی کے آدھے دھڑ کو کاٹ دیں تو اس میں زندگی کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہے، تو جس تصویر میں زندگی کا تصور نہ ہو وہ تصویر کے حکم میں نہیں آتی۔ جب مسلمانوں نے ایک بہت بڑا گرجا فتح کیا غالباً قسطنطنیہ کا تھا یہ مجھے یاد نہیں کون سا تھا بہت بڑا گرجا تھا جو مسلمان کے قبضے میں آیا تھا تو اس میں عیسیٰؑ کی اور حضرت مریمؑ کی اور بہت سے فرشتوں کی خیالی تصویریں محرابوں پر ستونوں پر دیواروں پر بنی ہوئی تھیں۔ عہدِ فاروقیؓ میں وہ فتح ہوا تو انہوں نے دارالخلافہ یہ گزارش بھیجی کہ اگر یہ تصویریں مٹاتے ہیں تو عمارت بہت خوبصورت ہے جو بد صورت ہو جائے گی، جگہ جگہ سے سیمنٹ اکھڑ جائے یا پلستر اکھڑ جائے گا اور نہیں ہٹاتے تو ہم چاہتے ہیں کہ یہ گرجا جو ہے یہ مسجد بن جائے تو اس میں نماز کیسے ہوگی اس کے در و دیوار پہ تصاویر ہیں، سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم بھیجا کہ اس کے چہرے کے نقش مٹا دو، آنکھیں، ناک منہ یہ صاف کر دو، چہرے کے نقش نہیں باقی تصویر رہے چونکہ بغیر چہرے کے زندگی کا تصور نہیں ہے، جب آپ چہرہ مٹا دیں گے تو وہ ختم ہو جائے گی تصویر نہیں رہے گی چنانچہ اس میں یہ آنکھ کان ہونٹ جو بنے ہوئے تھے وہ ختم کر دیئے تو وہ تصویر کے حکم سے خارج ہو گئی۔

یہ بحث فضول ہے کہ نوٹ پر تصویر کیوں ہے یا شناختی کارڈ پر کیوں ہے؟ یہ بحث فضول ہے، یہ تصویر کے حکم میں ہی نہیں آتی یا جو ویسے لوگوں کے پاس ہوتے ہیں آدھی آدھی تصویریں جن میں زندگی کا Concept نہیں ہے وہ تصویر کے حکم میں ہی نہیں آتیں۔ باقی رہی آج کی تصویر کی ضرورت، علاج معالجے میں بھی استعمال ہوتی ہے، چوروں ڈاکوؤں کو مجرموں کو تلاش کرنے میں بھی استعمال ہوتی ہے، شناخت میں بھی استعمال ہوتی ہے، اشتہار دینے میں بھی استعمال ہوتی ہے اور آج تو تصاویر کی کوئی حرمت باقی نہیں رہی۔ صدر مملکت سے لے کر وزیر اعظم اور جرنیلوں تک اور بڑے بڑے سیاستدانوں تک اور علمائے کرام اور پیروں اور بڑے بڑے گدی نشینوں سے لے کر عام دیہاتی مولوی تک سب کی تصویریں چھپتی ہیں، پھر لوگ ان میں سبزی باندھ رہے ہوتے ہیں اور نسوار باندھ رہے ہوتے ہیں اور چیزیں خرید رہے ہوتے ہیں۔ اب اس تصویر کو اس نظر سے کوئی نہیں دیکھتا۔ بڑے بڑے لوگوں کی، جن کی چھپتی ہیں وہ کہتے ہیں جائز ہے، جن کی نہیں چھپتیں وہ کہتے ہیں حرام ہے۔ ویسے ٹی وی پر کسی کو بھی لے لیں تو پھر وہ حلال حرام نہیں، پھر وہ تیار ہو جاتا ہے کہ یہ تو بڑی بات ہے، جسے نہیں لیتے وہ فتویٰ لگا دیتا ہے۔ آج کے عہد میں اس کی کوئی ایسی اہمیت نہیں رہی، وہ کاغذ ہوا میں اڑ رہے ہوتے ہیں، انہیں کوئی پوچھتا نہیں بلکہ آج کے عہد میں تو اچھے لوگوں کی تصویریں چھپنی نہیں چاہئیں کیونکہ ان کی حفاظت نہیں کی جاتی، وہ اخبار وغیرہ سڑکوں پر بکھرے ہوتے ہیں جن میں نیک لوگوں کی تصاویر چھپی ہوتی ہیں۔ بہرحال یہ طے ہے کہ جس میں زندگی کا تصور نہیں وہ تصویر نہیں۔ آگے دو طبقے ہو جاتے ہیں ایک طبقہ کہتا ہے کہ تصویر حرام نہیں تمثیل حرام ہے، بت بنانا حرام ہے۔ ایک طبقہ کہتا ہے مطلق تصویر حرام ہے۔ تصویر عہدِ حاضر کی ضرورت ہے، تو جو ضرورت کے لیے بنائی جاتی ہیں مجرموں کی شناخت کے لیے بیمار کے علاج معالجہ کے لیے جیسے کہ ایکسریز (X-Ray) اس کے فوٹوز اس کی تصویریں کسی پاؤں ہاتھ کی ان کا تو شرعی جواز ہے، ان کا تو حرج نہیں۔

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۔۔۔ تالابوں جیسے بڑے حوضوں جیسے بڑے لگن بڑے بڑے تھال اور ایسی دیگیں جو ہلائے نہ ہلیں پورے پورے مکان جتنی ایک ایک دیگ۔ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۔۔۔ اے داؤدؑ کے گھر والو بہت زیادہ شکر کرو اللہ کا۔ یعنی کسی کو حکومت ملتی ہے، اقتدار ملتا ہے، دولت ملتی ہے، اچھی گاڑیاں، اچھے گھر، اچھے مکان نصیب ہوتے ہیں، اچھی خوراک، اچھی غذا ملتی ہے، معاشرے میں احترام ملتا ہے۔ کسی کو کوئی فن ملتا ہے جو اسے لوگوں کا محبوب بنا لیتا ہے اور اسے دولتمند کر دیتا ہے، جو نعمت ملتی ہے جتنی نعمت ملتی ہے اتنا زیادہ شکر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ ٹھوکر انسان کو یہاں لگتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے یہ میرا کمال ہے۔ یہ میری عقلمندی، میری دانشمندی اور میری سمجھ بوجھ سے مجھے یہ نعمتیں ملی ہیں۔ فرمایا جو ملتا ہے وہ اللہ کی طرف

سے ملتا ہے اور وہی آزمائش بن جاتا ہے اور جتنی زیادہ نعمتیں ملتی ہیں اتنا زیادہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اب آگے یہ بڑا سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ شکر ہے کیا؟ کیسے ادا کیا جائے؟ انسان کیسے شکر ادا کر سکتا ہے کہ جو عبادت وہ کرتا ہے اس کے لیے اعضاء و جوارح، صحت، طاقت، تندرستی وہ بھی اللہ نے دی۔ ایمان لاتا ہے تو ایمان لانے کی توفیق بھی اللہ نے دی۔ قرآن سیکھتا ہے یا دین سیکھتا ہے تو وہ توفیق بھی اللہ نے دی۔ یہ سب کچھ تو اللہ نے دیا حتیٰ کہ شکر کرتا ہے تو شکر کرنے کی توفیق بھی اللہ نے دی، پھر اس نے کیا کیا؟ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کی کہ یا اللہ یہ شکر کرنے کی توفیق بھی تُو نے دی تو پھر میں تیرا شکر کیسے ادا کروں؟ میں تو نہیں کر سکتا، میرا تو اس میں کچھ بھی نہیں، تو ارشاد ہوا کہ اب تُو نے شکر ادا کیا، اس حقیقت کو پالینا کہ ہم تو اس کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے یہ شکر ہے۔ عبادت کرنا محنت کرنا اطاعت کرنا۔ اللہ جلِ شانہٗ کی عبادات کو بجالانا، عملی زندگی میں اطاعت کو بجالانا یہ شکر ہے اور یہ سمجھ لینا کہ یہ بھی میں اپنی طرف سے نہیں کر رہا یہ بھی اس کی توفیق ہے، یہ بھی اس کا احسان ہے اس نے مجھے ہمت دی، توفیق دی تو کر رہا ہوں تو یہ ادائے شکر ہے۔ حتیٰ کہ فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام پر تو ہم نے یوں کرم فرمایا کہ بیت المقدس کی تعمیر داؤد علیہ السلام نے شروع کروائی، پھر سلیمان علیہ السلام کے پورے عہد میں بے شمار جنات، دیو لگے رہے اور وہ عمارت بنتی گئی بہت خوبصورت عمارت بنی۔ سلیمان علیہ السلام کا جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا تو اس کے بارے فرمایا: فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ ---جب ہم نے ان پر موت کا حکم صادر کر دیا تو چونکہ جنات تو تعمیر پہ لگے ہوئے تھے، پھر ان کے حکم کے تابع ہو کر لگے ہوئے تھے، اور ان کا جو شاہی محل تھا۔ جس میں وہ رہتے تھے اس کا اس طرف ایک شیشہ کا کمرہ بنا ہوا تھا، جس میں آپ تشریف لے جاتے پردے ہٹا دیئے جاتے اور وہ جنات کے کام کو ملاحظہ کیا کرتے کہ آج انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اس کمرے میں تشریف لے گئے، اپنی لاٹھی کے سہارے پر کھڑے ہو گئے اور موت وارد ہو گئی، ایک سال اس لاٹھی کے سہارے پر کھڑے رہے اور تعمیر ہوتی رہی تو سوائے ان کے تین چار مصاحبوں کسی کو علم نہیں تھا کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ جنات کو بھی کوئی پتا نہ چلا، جب معائنہ کا وقت آتا وہ پردے ہٹا دیتے اور کسی کی جرأت ہوتی نہیں تھی آنکھ اٹھا کر دیکھے، کوئی دیکھتا بھی تو آپؑ سامنے کھڑے ہوتے تھے تو پھر پردے بند کر دیے جاتے، یوں ایک سال وہ کام ہوتا رہا۔

قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ ---ان کے لیے موت کا فیصلہ ہو گیا۔ یاد رکھیں لفظ موت ایک ہے لیکن ہر بندے کی موت مختلف ہے، لفظ ایک ہی ہے۔ کافر اور بدکار بھی سارے ایک جیسی موت نہیں مرتے، جتنا کسی کا کفر ہے، جتنے کسی کے گناہ اسی حساب سے موت کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ مومن بھی سارے ایک جیسی موت نہیں مرتے، ہر ایک کے اعمال اپنے ہیں۔ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (سورۃ البقرہ: 154)--- یہ بات تمہاری عقل سے باہر ہے کہ ایک بندے کے بدن کے پرخچے اڑ گئے، کفن پہنایا، قبر میں دفن کر دیا تو زندہ کیسے؟ تو اللہ فرماتے ہیں وہ زندہ ہے۔ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ--- تمہاری عقل اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے، تم اسے مردہ نہ کہو وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ--- یہ کون لوگ ہوتے ہیں جو مر کے بھی زندہ رہتے ہیں۔ زندگی کا مطلب ہے کہ بدن سے روح جدا نہیں ہوتی، وہ زندہ ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو انبیاءؑ کی اطاعت میں جان دیتے ہیں۔ آج کل تو جسے چور مار دیں وہ بھی شہید، جو ڈاکہ کرتا ہوا مارا جائے وہ بھی شہید، جو بچاس قتل کر کے پھانسی لگ جائے وہ بھی شہید کہلاتا ہے۔ شہید وہ ہوتا ہے جو اللہ کی عظمت پہ گواہی دیتے ہوئے جان دیتا ہے۔ شہید کا معنی ہے گواہ یعنی وہ جس عقیدے پہ جما ہوا ہے توحیدِ باری پہ، عظمتِ باری پہ، حقانیتِ نبوّت پہ، کتاب کے حق پہ، اس پہ جان دے دیتا ہے اس سے انحراف نہیں کرتا، اللہ کے دین کے کام میں اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے اللہ کی رضا کے لیے جان دے دیتا ہے اسے شہید کہتے ہیں یعنی اس نے جان دے کر گواہی دی کہ میں حق پر ہوں تو قرآن نے کہا کہ شہید کو مردہ نہ کہو بلکہ فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ (سورۃ آل عمران: 169)--- یہ سوچ و گمان

بھی نہ کرو کہ شہید مر گیا ہے۔ تو شہید نبیؑ کی نبوّت کی صداقت کی گواہی دیتا ہوا جان دے دیتا ہے۔ وہ نہیں مرتا تو خود نبیؑ کی موت کیسی ہوگی! جو نبیؑ کی خلوصِ دل سے غلامی کرتا ہوا اور اس کی صداقت کی گواہی دیتا ہوا موت قبول کرتا ہے اللہ کہتا ہے یہ زندہ ہے اور ان کی زندگی کے بے شمار ثبوت ملتے ہیں۔ اصحابِ بدر کی قبریں بدر کے بعد، احد کی قبریں احد کے واقعے کے چالیس سال بعد وہاں سے نہر گزاری گئی کھودی گئیں تو کسی صحابیؓ کے بدن پر پاؤں مبارک پر کوئی ہتھوڑا لگ گیا خون نکل آیا۔ بے شمار ایسے واقعات گننے میں نہیں آتے، اتنے واقعات ہوئے ہیں، جہاں صحابہ کرامؓ کی قبریں کھولی گئیں اور صحیح سالم صدیوں بعد بھی صحیح سالم وجود، صحیح سالم نہیں زندہ وجود، اگر انہیں چھیڑا گیا Cut لگا یا تو خون جاری ہوگیا۔ تو اگر نبیؑ کی نبوّت کی صداقت کی شہادت دینے والا نہیں مرتا تو خود نبیؑ کی موت کیا ہوگی! اس موضوع پر مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ نبیؑ کی موت اس طرح نہیں ہوتی جس طرح عام آدمی کی روح قبض کر کے پیش کی جاتی ہے، بدن الگ ہو جاتا ہے روح الگ ہو جاتی ہے۔ نہیں، بلکہ بدن ہی روح کا مقام ہوتا ہے اور روح کا جو تعلق امورِ دنیا سے ہے وہ منقطع کر کے برزخ کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے، بدن میں تغیر نہیں آتا، روح الگ نہیں کی جاتی۔ خود آقائے نامدار ﷺ کی عظمت یہ ہے کہ فرماتے ہیں جیسے ایک بلب جل رہا ہے آپ اس پہ گلوب رکھ دیں اس کی روشنی کو محدود کر دیں۔ جو تعلق روح کا امورِ دنیا، گرمی سردی، نیکی بدی بول چال بھوک پیاس کھانا پینا سونا یہ سارے دنیا کے کام ہیں ان سے روح کا تعلق توڑ دیا جاتا ہے، پھر ان کے دن رات، بات چیت، اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا یہ تعلق برزخ سے جوڑ دیا جاتا ہے یہ نبیؑ کی موت ہوتی ہے اور اسی لیے آج بھی پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ، حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، کَانَ تو نہیں لگاتے کہ "تھے"، کوئی کلمہ یہ پڑھتا ہے؟ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول تھے۔ بلکہ کہتے ہیں رسول (ﷺ) ہیں۔ لفظ "ہیں" ہی پڑھا جاتا رہے گا اس لیے کہ حضور ﷺ دنیا سے رخصت ہوگئے، موت واقع ہوگئی برزخ میں جلوہ افروز ہیں لیکن روحِ اطہر اور بدنِ عالی ایک ہی جا ہیں، وہی حیات ہے، دنیا سے زیادہ مضبوط حیات ہے۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ روضۂ اطہر پہ جا کر مخاطب کر کے درود پڑھنا چاہئے، الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، حضور ﷺ خود سنتے ہیں، جواب عطا فرماتے ہیں۔ دور سے اگر کوئی یہی درود پڑھتا ہے تو اس کی نیت یہ ہونی چاہئے کہ میرا اللہ میرا درود آپ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا دے گا۔ کچھ ہمارے دوست حضرات جو ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ حضور ﷺ یہاں موجود ہیں اور سن رہے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ خود بھی جھوٹ بول رہے، انہیں پتا ہے وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی یہ شان نہیں ہے کہ کہیں وہ تشریف لے جائیں۔ یہ کائنات ان کے قدموں میں جا رہی ہے، مرکز مرکز ہوتا ہے، مرکز اپنی جگہ نہیں چھوڑتا، باقی سارا دائرہ مرکز کے گرد گھومتا ہے، کائنات ان کی ذات کے گرد گھومتی ہے، انہیں کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر اگر انہیں یہ احساس ہوتا کہ حضور ﷺ یہاں موجود ہیں حضور ﷺ سن رہے ہیں لاؤڈ سپیکر پہ شور کرتے؟ یہ ان کا لاؤڈ سپیکر پہ کہنا الصلوٰۃ والسلام بڑے زور سے کہنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں پتا ہے کہ حضور ﷺ یہاں نہیں ہیں۔ مجھ سے ایک دفعہ ایک بندے نے مسئلہ پوچھا کہ یہ کہنا کیسا ہے اور اس کا کتنا ثواب ہے؟ میں نے کہا تمہارا گھر میرا خیال ہے مسجد کے قریب ہے، کہتا ہے جی ہاں، اذان سنائی دیتی ہے، بڑی صاف سنائی دیتی ہے۔ والد زندہ ہیں صحتمند ہیں؟ کہتا ہے جی ہاں، میں نے کہا مسجد سے ایک دن لاؤڈ سپیکر آن کر کے زور زور سے کہنا ابا جی السلام علیکم ابا جی السلام علیکم، زور زور سے کہنا، تھوڑی دیر بعد جب گھر آؤ گے تو ابا تمہیں مسئلہ سمجھا دے گا۔ تو اگر اپنے والد کو السلام علیکم نہیں کہہ سکتے تو نبی کریم ﷺ کو کس بات پہ کہتے ہو؟ سپیکر لگا کے زور زور سے کہتے ہو، وہاں تو اللہ کا حکم ہے۔ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات: 2)۔۔۔ حضور ﷺ کی آواز سے بارگاہِ رسالت میں تمہاری آوازیں بلند نہ ہوں، تو جب تم یہ مانتے ہو کہ حضور ﷺ تو یہاں موجود ہیں تو پھر لاؤڈ سپیکر پہ اتنا شور؟ تو اس کا مطلب ہے تمہارے دل میں ہے، تم نے محض ضد کر رکھی ہے، ایسی بات

نہیں ہے۔تم کوشش کرتے ہو کہ اتنا شور کرو کہ آواز دوسرے ملک تک چلی جائے۔تو بہر حال لوگوں کے نظریات اب ایسا دور آ گیا ہے کہ اب عقیدے نہیں رہے اب دھڑے بن گئے ہیں کہ میں اس پارٹی میں ہوں، میں اس پارٹی میں ہوں، وہ اچھی ہے یا بُری ہے اب دھڑے بن گئے ہیں۔میں دیوبندی ہوں میں بریلوی ہوں۔کیا دیوبندی ہے کیا بریلوی ہے؟ دیوبندی کو کوئی سوا سو سال ہوا ہے، ایک سو بیس پچیس سال ہو گئے ہوں گے دیوبند مدرسہ بنا ہے، اور سو سال کے لگ بھگ ہوں گے بریلی مدرسہ بنا ہے۔دو مدرسے ہیں۔اسلام ساڑھے چودہ سو سال سے ہے، یہ ساڑھے تیرہ سو سال کوئی دیوبندی تھے یا بریلوی تھے؟ یہ دو مدرسے ہیں، جو علی گڑھ پڑھتا ہے وہ علیگ کہلاتا ہے، جس نے دیوبند پڑھا وہ دیوبندی کہلاتا ہے، جس نے بریلی پڑھا وہ بریلوی کہلاتا ہے۔یہ دو مدرسے ہیں، یہ کوئی مذہب تو نہیں ہے، مذہب تو ایک ہی ہے اسلام تو یہ خواہ مخواہ کی اب دھڑے بازیاں بن گئی ہیں۔اسلام میں دھڑے بندی نہیں پالنی چاہیے، اللہ کی اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کرنی چاہیے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ۔۔۔جب سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم صادر ہوا۔تو لوگ کہتے ہیں کہ جن بڑا غیب جانتے ہیں۔یہ بجلی ہم جلا رہے ہیں اسے کوئی آنے جانے میں دیر لگتی ہے، یہ اس کے کرشمے ہیں ناں کہ چھوٹی سی بیٹری موبائل میں ہوتی ہے، ہم یہاں بٹن دباتے ہیں تو ایک لمحے میں بات دنیا کے دوسرے سرے میں کر لیتے ہیں۔برطانیہ میں یورپ میں امریکہ میں افریقہ میں چین میں بندہ بات کر رہا ہوتا ہے تو ایسے لگتا ہے کہ سامنے بیٹھا کر رہا ہے، بات تو وہاں سے آ رہی ہوتی ہے، تو یہ اس بجلی کے کرشمے ہیں کہ اتنی دور سے بات ایسے لگتا ہے پاس بیٹھا ہوا کر رہا ہے۔تو جنات اس سے لطیف تر ہیں، اس سے زیادہ تیزی سے دنیا کے گرد گھوم سکتے ہیں، یہ آوارہ گرد ہوتے ہیں۔یہاں کی بات دیکھی وہاں کی دیکھی کچھ ساتھ جھوٹ ملائے اور آ کر بتا دیا۔لوگ کہتے ہیں یہ غیب بتا رہا ہے۔غیب وغیرہ نہیں جانتے، اللہ فرما رہا ہے غیب جانتے ہوتے تو انہیں پتا ہوتا کہ سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو چکا ہے، وہ تو آپؑ کے وجودِ عالی کو کھڑا دیکھتے رہے اور سال بھر مشقت میں لگے رہے، مسجد مکمل ہو گئی۔اللہ کریم نے چاہا تو آپ کی اس لاٹھی مبارک کو گھن کھا گیا، وہ لاٹھی ٹوٹ گئی اور وجودِ اطہر فرش پہ آ رہا تو جنوں کو پتا چلا کہ یہ تو فوت ہو چکے ہیں اور ہمیں تو خواہ مخواہ مشقت میں لگائے رکھا۔مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۔۔۔انہیں مٹی کے گھن نے جس نے آپؑ کی لاٹھی مبارک کھالی تھی تو اللہ کو یہی منظور تھا۔جنوں کو تب پتا چلا جب وہ لاٹھی اچانک ٹوٹ گئی اور وجودِ عالی فرش پہ آ رہا تو انہیں سمجھ آئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو وصال کر چکے ہیں فرماتے ہیں۔أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ۔۔۔اگر جنات غیب جانتے ہوتے۔مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ۔۔۔تو اس مزدوری میں ذلیل نہ ہوتے او رپتھر اٹھا اٹھا کر نہ لاتے اور دیواریں نہ بنا رہے ہوتے، لہٰذا کوئی جن غیب نہیں جانتے، غیب جاننا صرف اللہ کو زیبا ہے اور وہی غیب دان ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۔۔۔اہلِ سبا کے لیے ان کے گھروں میں ان کے شہروں میں بہت اللہ کی مہربانی تھی اور عظمتِ الٰہی کے بڑے دلائل تھے، بہت آباد شہر تھے۔سبا کا علاقہ یمن کا علاقہ تھا، پہاڑی علاقہ ہے، بڑی بڑی وادیاں اور بڑے خوبصورت پھلدار درخت اور ہر چیز نعمتیں، اور آبادیوں میں انہوں نے آبی ذخیرے بنا رکھے تھے۔بڑا شہر تھا اور انہوں نے اس کے اوپر پانی کے لیے بند باندھے۔بڑا ڈیم بنایا، یہ ڈیم کی صنعت بھی اس زمانے سے آ رہی ہے، بارشی پانی کو روک کر انہوں نے بہت بڑا ڈیم بنایا جس سے نہریں نکالیں اور جو راستے تھے اتنے فاصلے پر شہر آباد تھے کہ ایک شہر سے نکلیں دوسرا نظر آتا تھا، خوبصورت سڑکیں بنائیں، سڑکوں کے گرداگرد اس ڈیم کی نہریں گزرتی تھیں اور درخت میوہ دار پھل دار درخت لگے ہوئے تھے۔فرماتے ہیں اگر کوئی مسافر سر پر ٹوکری رکھ کر گزرتا تو اگلے شہر جانے تک اس کی ٹوکری مختلف قسم کے پھلوں سے بھر جاتی تھی، جس درخت کے نیچے سے گزرتا کچھ نہ کچھ اس میں گرتا رہتا۔بڑا خوبصورت ملک انہوں نے بنایا۔نہریں بنا دیں۔دو رویہ سڑکوں کے گرد اور خوبصورت سڑکیں بنائیں۔خوبصورت شہر بنائے، قریب قریب بنائے، آباد بنائے اور آدمی اکیلا پن محسوس نہیں کرتا تھا۔پھر ایسی منصوبہ بندی کی

گئی کہ رزق ہر ایک تک پہنچے۔

دراصل معیشت کی منصوبہ بندی جرائم سے روکتی ہے، اللہ کریم فرماتے ہیں انہیں چور کا ڈر تھا، نہ ڈاکو کا ان کو کوئی خطرہ تھا نہ خوف، کوئی ڈر نہیں بے خوف وخطر رات دن سفر کرتے آبادیوں میں سے گزرنا ہوتا تھا، باغات اور پھل ہوتے تھے۔ ان کے پاس عظمتِ الٰہی کے بہت دلائل تھے۔جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّشِمَالٍ ؕ ۔۔۔ ان کے دائیں بائیں باغ لگے ہوئے تھے راستوں کے۔ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لَہٗ ؕ بَلۡدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ ۔۔۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتیں کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو، بہت خوبصورت شہر اور معاف کرنے والا پروردگار۔ اللہ کی نعمتیں کھاؤ اس کی اطاعت کرو۔ شکر اطاعت کا نام ہے، کمی رہ جائے تو وہ بخشنے والا ہے۔ تو اتنے انعامات تھے ان پر اللہ کے۔ ہوا کیا؟ انہیں شیطان نے ایسا بہکایا وہ کہنے لگے رب کریم یہ بھی کوئی زندگی ہے! روٹین لائف بن گئی ہے۔ جدھر نکلو پھل بھی مل جاتے ہیں روزی بھی مل جاتی ہے، نہ چور کا ڈر نہ خطرہ، نہ کوئی ویرانہ، آبادیاں ہی آبادیاں، باغ ہی باغ، یہ کوئی زندگی ہے! دور دور شہر ہوں، لمبے لمبے سفر ہوں، مشکل سے کرنے ہوں، ڈاکوؤں کا خطرہ ہو، چوروں کا ڈر ہو، پھر تو زندہ رہنے کا کوئی مزہ ہے۔

انسانی مزاج بھی عجیب ہے، کہا ہماری تو ایک روٹین بن گئی ہے۔ یہاں سے اٹھو وہاں چلے جاؤ، کوئی پتا ہی نہیں چلتا گھر ہے یا پردیس میں ہیں، فروٹ بھی مل رہے ہیں، لباس بھی مل رہے ہیں، شہر بھی آباد ہیں، کوئی چور ڈاکو کا ڈر نہیں، یہ کون سی زندگی ہے؟ کہنے لگے یہ کوئی مزا نہیں، کوئی دور دور فاصلے ہوتے، ہمت سے جانا پڑتا ہم بھی کوئی تلوار بندوق اٹھاتے کہ راستے میں کوئی چور نہ آجائے، کوئی ڈاکو نہ آجائے، کوئی پہاڑیاں چڑھنا پڑتیں، کوئی پتھر کھانے پڑتے تو یہ تو کوئی زندگی ہوتی اور پھر محنت کر کے رزق لانا پڑتا پھر کھانے کا مزہ آتا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جب انہوں نے ناشکری کی: فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ ۔۔۔ ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا، جب انہوں نے یہ رویہ اپنایا تو اللہ کریم بڑے بے نیاز ہیں انہوں نے چوہوں کو لگا دیا بند میں، وہ سارا بند چوہوں نے کھوکھلا کر دیا، جب برسات آئی بند بھرا اور چوہوں کے بلوں میں پانی گھسا تو کھوکھلے تھے۔ سارے بند ہی ٹوٹ گئے تباہ ہو گئے۔ ان پر ہم نے عَرِم کا طوفان بھیج دیا۔ وَبَدَّلۡنٰہُمۡ بِجَنَّتَیۡہِمۡ جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ ۔۔۔ ان کے باغات کو ہم نے ایسا تباہ کیا کہ جنگلی جھاڑ جھنکاڑ رہ گئے اور چند بیریوں کے ٹنڈ منڈ درخت رہ گئے، سارے باغات وہ سیلاب بہا کر لے گیا، شہروں کو اس نے ملیامیٹ کر دیا، سڑکیں اکھیڑ کر تباہ کر دیں، باغات اجڑ گئے نہریں ٹوٹ گئیں۔ سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا اور کچھ باقی نہ رہا، بیشتر لوگ سیلاب کی نظر ہو کر بہہ کر سیلاب میں ذلیل ہو کر مر گئے، تھوڑے بہت جو بچ گئے وہ وہاں سے ہجرت کر گئے، کوئی کسی جگہ چلا گیا کوئی کسی جگہ چلا گیا۔ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ ذٰلِکَ جَزَیۡنٰہُمۡ بِمَا کَفَرُوۡا ؕ ۔۔۔ جب انہوں نے ناشکری اختیار کی تو ہم نے انہیں اس کا یہ بدلہ دیا یعنی بندے پر اللہ کی نعمتیں ہوں تو اس پر شکر واجب ہو جاتا ہے، اور جب وہ شکر نہیں کرتا تو وہی نعمتیں مصیبت بن جاتی ہیں۔

آج کا ہمارا مسئلہ یہی ہے میں ان کی بات کر رہا ہوں جن کے پاس بے شمار نعمتیں ہیں۔ اقتدار بھی ہے، شہرت بھی ہے دولت بھی ہے، رہنے کو بڑا بنگلہ بھی ہے، نوکر چاکر بھی ہے، زمین بھی ہے، گاڑیاں بھی ہیں، سکون نہیں ہے، گھر سے بیماری نہیں نکلتی، رات کو نیند نہیں آتی، کچھ کھالیں تو ہضم نہیں ہوتا، بیٹی بیمار ہے، بیوی کو کینسر ہو گیا ہے، بیٹے کو یرقان ہو گیا ہے، فلاں کا یہ ہو گیا ہے فلاں کا یہ ہے، یہ کیا ہے۔ اتنی نعمتیں دے کر وہ کریم اتنی مصیبتیں کیوں لگا دیتا ہے؟ یا اللہ تو نے نعمتیں دی ہیں تو ان بیچاروں کو انہیں استعمال کرنے دے، انہیں خوش ہونے دے، انجوائے کرنے دے۔ اللہ نے یہ مصیبتیں نہیں لگائیں۔ اللہ نے تو نعمتیں دیں، مصیبتیں انہوں نے پال لیں، انہوں نے نعمتوں پر ناشکری کی، میں نے جتنی نعمتیں دیں انہیں اتنی اطاعت کرنی چاہیے تھی، اتنا شکر کرنا چاہیے تھا میں اور نعمتیں عطا کرتا، میں نے نعمتیں دیں انہوں نے ناشکری کی، یہ تو ایک سجدہ کرنے سے بھی بیزار ہیں، ان کے پاس اربوں روپے ہیں پھر حلال حرام کی تمیز کیے بغیر گھسیٹے جا رہے ہیں۔ بقیہ حصہ صفحہ نمبر 13 پر۔۔

19 مئی 2015ء

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سوال: دنیا میں ہر شے اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے حتیٰ کے انسان کے وجود کے (Body Cells) بھی۔ سوال یہ ہے کہ صوفیائے کرام کے اجسام جو ہمہ وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں وجود کا ہر (Body Cell) اللہ کا ذکر کرتا ہے کیا صوفیاء کے (Body Cells) پر اموات واقع ہوتی ہیں؟

جواب: مخلوق میں دوام نہیں ہے۔ مخلوق عدم سے آئی ہے اور فنا اس کا مقدر ہے۔ یہ جو ہر چیز ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرتی ہے، یہ ذکر اِضطراری ہے اس میں اُس کا اختیار نہیں ہے، بلا اختیار کرتی ہے۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اُن چیزوں پر موت واقع نہیں ہوتی۔ اگر ذکر چھوڑ دیں تو جو زندگی ہے وہ پوری نہیں ہوتی۔ یعنی موت اپنے وقت پر آتی ہے۔ وہ جب ذکر چھوڑ دیں اُسی وقت آجاتی ہے، تو یہ فطری طور پر ہر ذرّے کی فطرت میں داخل ہے کہ اپنے لحاظ حیات پورا کرنے کے لئے ذکر کرتا رہے۔ لیکن ذکر اضطراری پر اجر مرتب نہیں ہوتا۔ اجر یہی ہے کہ جتنی دیر اُسے بقا نصیب ہوجائے، جتنی دیر اُسے حیات نصیب ہوجاتی ہے یہی اُس کا اجر ہے۔ ذکر ارادی جو کیا جائے، ارادتاً جو کیا جائے وہ اور شئے ہے، اُس پر ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔ ذکر اِضطراری تو ہر وجود کا ہر سیل کرتا ہے۔ خواہ وہ کافر ہو۔ کفار کو بھی جو حیات نصیب ہوتی ہے یا جو صحت نصیب ہوتی ہے وہ اُن کے وجود کا ہر ذرّہ بھی ذکر کرتا ہے لیکن وہ اضطراراً ہے، وہ اُسے مجبوراً فطرتاً کرنا پڑتا ہے، نہ کرے تو باقی نہیں رہتا کیونکہ یہ تو اللہ کریم کا فیصلہ ہے کہ: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ (سورۃ بنی اسرائیل: 44) ایسی کوئی چیز نہیں ہے، وہ انسانی وجود کے (Cell) سیل ہوں یا حجر و شجر ہوں یا زمین و آسمان ہوں، اپنے انداز سے، اپنے طور سے ہر شئے، اپنے طریقے سے ذکر کرتی ہے۔ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ (سورۃ بنی اسرائیل: 44) اے لوگو! تم اُن کی تسبیح نہیں سمجھ پاتے، اپنے انداز میں ہر چیز ذکر کرتی ہے۔ ان کی اپنی ایک زبان ہے۔ وہ ذکرِ اضطراری ہے۔ جو چیز وجود پذیر ہوتی ہے جب تک اللہ اُسے باقی رکھتے ہیں ذکر کرتی رہتی ہے۔ جب ذکر چھوڑ دے ختم ہوجاتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ کبھی ذکر کرنا چھوڑ دے تو فطری حیات بھی پوری نہیں کرتی، ختم ہوجاتی ہے۔ اس طرح ہر انسان کے (Body Cell) ذکر کرتے ہیں یہ بھی اضطراری ذکر ہے۔ اللہ کے بندے جو ذکر کرتے ہیں وہ ارادتاً کرتے ہیں، اہتمام کرکے کرتے ہیں۔ عظمتِ الٰہی کا اقرار کرکے کرتے ہیں، اللہ کو پہچان کر، اُس کی شان کو اُس کی عظمت اُس کی کبریائی کو جان کر اُس کا ذکر کرتے ہیں تو اُس پر اجر مرتب ہوتا ہے۔ لیکن اُس سے نظامِ کائنات پر اثر نہیں پڑتا۔ آخر سارے اہل اللہ بھی اور اہل اللہ کی کیا حیثیت ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی دُنیا میں آئے اور دُنیا سے تشریف لے گئے۔ تو جو فطری عمل ہے وہ جاری رہتا ہے۔ اس طرح مادّی طور پر بھی ہر باڈی سیل کی ایک عمر ہے۔ وہ فطری عمر پوری کر کے ہر باڈی سیل مرتا ہے۔ اُس کی جگہ نیا آجاتا ہے اور ہر ذرّہ اللہ کا ذکر اضطراراً کرتا ہے اُس کے بغیر اُس کا وجود ہی نہیں بنتا۔ لیکن ذکرِ اضطراری کا اجر یہ ہے کہ اُسے زندگی ملتی ہے اور جتنا عرصہ اُس کا مقدر ہے وہ باقی رہتا ہے۔ جو ذکر اللہ کریم کی طرف سے اجر پاتا ہے، جس کا حکم ہے وہ ذکرِ ارادی ہے۔ ارادتاً بندہ ذکر کرتا ہے اُس کے لیے عقیدہ بنیاد ہے، ایمان شرط ہے، کردار شرط ہے، اتباع

رسالت شرط ہے اور ذکر بھی اتباعِ رسالت میں کیا جاتا ہے۔

سوال: میرے ذہن میں بچپن سے ایک سوال ہے کہ بعثت سے پہلے نبی اکرم ﷺ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے بعض اوقات چالیس چالیس دن وہاں قیام فرماتے، یہ وہ وقت ہے جب ابھی کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، قرآنِ پاک تو نازل ہی نہیں ہوا تھا، سوال یہ ہے کہ پھر آپ ﷺ غارِ حرا میں کیا عبادت فرماتے؟ کورس کی کتابوں میں ہے کہ آپ ﷺ غور و فکر کے لیے تشریف لے جاتے، یہ جملہ مزید وضاحت طلب ہے؟

جواب: بات تو درست ہے۔لیکن ایک اُصول ہے کہ انبیاؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام تخلیقی طور پر ہی نبیؑ ہیں۔ان کی ارواح بدن میں داخل ہوں یا نہ ہوں۔بدن بھی نبیؑ کا ہے روح بھی نبیؑ کی ہے۔پیدا ہوتے ہیں تو نبیؑ ہیں، دُنیا سے جاتے ہیں تو نبیؑ ہیں، برزخ میں، قیامت میں، جنت میں نبیؑ ہیں نبوّت اُن سے زائل نہیں ہوتی ہمہ وقت نبیؑ ہیں۔لیکن بعثت کا ایک وقت مقرر ہے۔قبل از بعثت تمام انبیاءؑ کو ایک خاص ولایتِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اور وہ ولایت اتنی عظیم ہے کہ غیر نبی اُس کو نہیں پاسکتا، وہ انبیاءؑ کا خاصہ ہے۔اللہ سے تعلق انبیاءؑ کا پیدائشی طور پر ہوتا ہے۔اس تعلق کو ولایتِ نبوّت کہتے ہیں جو بعثت سے پہلے ہر نبیؑ کو حاصل ہوتا ہے۔پیدا ہونے سے لے کر مبعوث ہونے تک اُسے ولایتِ انبیاءؑ کہتے ہیں اور وہ انبیاءؑ کا ہی حصہ ہے غیر نبی اُس کا عشرِ عشیر بھی نہیں پاسکتا۔چونکہ اُنہیں اللہ سے تعلق اور ولایتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے تو دنیا کے سارے اِمور بھی سرانجام دیتے ہیں لیکن تعلق باللہ کے لیے بھی اپنا وقت صرف فرماتے ہیں۔حضور اکرم ﷺ جب غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے تو اُسی، اپنی ولایت میں مشغول رہتے تھے اور اللہ کا ذکر کرتے تھے۔یہ کہیں تشریح نہیں فرمائی گئی، حدیث شریف میں نہیں ملتا، نہ یہ کسی نے پوچھا، نہ حضور ﷺ نے بیان فرمایا۔میں نے نہیں دیکھا، کہیں سنا بھی نہیں کہ کس طرح ذکر کرتے تھے، یہ بحث نہیں ہوئی۔لیکن ہر نبیؑ کو اللہ سے پیدائشی طور پر، پیدا ہونے سے پہلے بھی ایک خاص تعلق حاصل ہوتا ہے۔اُسے ولایتِ انبیاءؑ کہا جاتا ہے، وہ انبیاءؑ کا ہی خاصہ ہے، غیر نبی اُسے نہیں پاسکتا۔وہ محنت سے، مجاہدے سے، کسب سے حاصل نہیں ہوتی۔وہ وہبی ہوتی ہے، اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور انبیاءؑ کو نصیب ہوتی ہے۔یہ نہیں کہ وحی آئی تو نبیؑ کا اللہ سے تعلق قائم ہوا ورنہ وحی نہ آئے تو بھی ولایتِ انبیاءؑ، تمام انبیاءؑ کی ولایت اپنی شان کے مطابق ہوتی ہے۔حضور اکرم ﷺ کی ولایت آپ ﷺ کی اپنی شان کے مطابق تھی۔آپ ﷺ ولایت میں بھی امام الانبیاء تھے، نبوّت میں بھی، ولایت میں بھی آپ ﷺ کی شان الگ ہوگی اور جہاں تک کورس کی کتابوں کا تعلق ہے تو امورِ ظاہری والے اس سے آگے سوچ ہی نہیں سکتے کہ کوئی تنہائی میں بیٹھ کر کیا کرتا ہے۔یہ سوچ سکتے ہیں کہ بیٹھ کر کچھ سوچتا رہتا ہوگا اور یہ الزام غیر مسلموں کا بھی ہے کہ اعلانِ نبوّت سے پہلے حضور اکرم ﷺ غارِ حرا میں بیٹھ کر سوچتے رہتے تھے کہ کس طرح قوم کا مزاج بدلا جائے، قوم کو یکجا کیا جائے، قوم کی کیسے اہمیت بنائی جائے اور قوم کو آزادی دی جائے۔اور یہ آپ ﷺ نے سوچ سوچ کر ایک نقشہ بنایا اور پھر اُس میں ایک خانہ اللہ کا رکھا، پھر آخرت کے اجر کا رکھا، حوروں کا تصور دیا اور جنت کا تصور دیا۔یہ ساری کہانی کفّار نے گھڑی ہوئی ہے کہ حضور ﷺ نے بیٹھ بیٹھ کر اور سوچ سوچ کر یہ منصوبہ بنایا اور پھر نبوّت کا اعلان کر کے اُس پر عمل کیا اور اپنی قوم کو یکجا اور مضبوط کر لیا۔یہ باتیں اُن لوگوں کی ہیں جنہیں نورِ ایمان نصیب نہیں ہوا اور جنہیں اللہ کریم کا تصوّر ہے، نہ ایمان ہے اور نہ اللہ کی یاد نصیب ہے۔

اس کافر کا دین بھی دنیا ہوتی ہے۔ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے، کافر کا دین بھی دنیا ہے، مومن کی دنیا بھی دین ہوتی ہے۔کافر کا دین بھی دنیا ہوتی ہے یعنی دین کا اقرار کرنا یہ فطرت انسانی میں ہے۔تاریخ انسانی میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو جنگلوں میں بچھڑ گئے آدمیت سے، جن کے پاس کوئی عام انسانی ضابطے بھی نہ رہے، جنگلی اور وحشی ہوگئے۔ایک دوسرے کو مار کر کھا جانے لگے، لباس بھی کوئی نہیں تھا، بے لباس رہتے تھے، اس کے باوجود کہ لباس سے نا آشنا تھے، انسانی آداب سے نا آشنا تھے، رشتے ناتوں سے بے خبر تھے، وحشی تھے، جنگلی تھے لیکن آپ کسی جنگلی قبیلے کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو مذہب کے نام پر

کچھ رُسوم انہوں نے بھی اپنا رکھی ہیں۔ کہیں کہتے تھے ہمارے جو بزرگ مر گئے ہیں اُن کی روحیں ہماری مدد کرتی ہیں، کہیں سورج کی پوجا کرتے تھے، کہیں پتھروں کی لیکن کچھ نہ کچھ پوجا کا، اُن کا انداز ضرور تھا یعنی دین انسانی فطرت میں ہے۔ اُس کا سب کچھ کھو جائے تو پھر بھی دین کا خانہ باقی ہے۔ اب یہ اُس کا اختیار ہے کہ اُس خانے کو کس طرح پُر کرتا ہے۔ اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اس نے درست پُر کر لیا اور اللہ کو نہیں مانتا، اللہ کی جگہ کسی اور کو وہاں بٹھا دیتا ہے، جو غیر اللہ کو وہاں بٹھا دیتے ہیں ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جس کی ہم پوجا کر رہے ہیں یہ ہماری دنیا میں مدد کرے گا۔ ہماری حفاظت کرے گا۔ ہماری روزی کا انتظام کرے گا۔ ہمیں بیماریوں سے بچائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ کافر کا دین بھی دنیا ہے۔ آج بھی، اکیسویں صدی میں بھی آپ کفار کا مطالعہ کریں تو اسلام کے علاوہ جتنے مذاہب ہیں سب کی بنیاد اسی پر ہے کہ یہ رسم کرو، اس کی پوجا کرو تو یہ فائدہ ہوگا، کاروبار چلے گا، صحت ٹھیک ہوگی، بیماری نہیں آئے گی وغیرہ وغیرہ۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کافر کا دین بھی دنیا ہی ہے کیونکہ اُس نے دنیا کی چیزوں کو منتہی کر رکھا ہے۔ مومن کی دنیا بھی دین ہے اس لیے کہ مومن جو دنیا کا کام کرتا ہے وہ بھی دین ہے اس لئے کہ مومن دنیا کا جو کام کرتا ہے وہ بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کرتا ہے۔ اطاعتِ پیغمبر ﷺ ہی عبادتِ الٰہی ہے اور یہی دین ہے تو مومن کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ جو لوگ ان حقائق سے آگاہ نہیں ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حرا میں بیٹھ کر غور و فکر کیا، منصوبہ بندی کی حالانکہ آپ ﷺ کا جو تعلق مع اللہ تھا وہ آپ ہی کی شان کے مطابق تھا اور آپ ﷺ اُس طرف مصروف رہتے تھے۔ اس حالت میں کیا ذکر فرماتے تھے، کس طرح فرماتے تھے؟ وضاحت نہیں ملتی، نہ کسی نے آپ سے استفسار کیا نہ کتابوں میں تفصیل آئی۔

سوال: قرآنِ پاک میں اُولِي الْاَلْبَاب کی نشانیاں یوں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (سورۃ آلِ عمران: 191) اس آیہ کریمہ کے آخری حصے کی وضاحت فرما دیجئے کہ یہ کیا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اور وَيَتَفَكَّرُوْنَ آپس میں (Related) یعنی ملے ہوئے ہیں۔ کیا فکر کے لیے ذکر ضروری ہے؟

جواب: انسان کے لیے ایمان کی دو حالتیں ہیں، ایک ہے جاننا، ایک ہے ماننا۔ دو حالتیں یہ ہیں۔ ایک بات کا بندے کو علم ہوتا ہے، وہ جانتا ہے اس نے پڑھا ہے، سنا ہے، سن کر جانتا ہے، کوئی دیکھ کر جانتا ہے، پڑھ کر جانتا ہے، یہ جاننا ہے۔ ایک خبر ہوتی ہے، ہمارے پاس ایک خبر آئی ہے کہ اللہ واحد لاشریک ہے۔ حضور اکرم ﷺ اللہ کے نبیؐ ہیں، یہ بھی خبر ہے۔ حضور ﷺ نے خبر دی کہ اللہ واحد ہے۔ آپ ﷺ نے خبر دی کہ میں اللہ کا نبیؐ ہوں۔ آپ ﷺ نے خبر دی کہ یہ اللہ کا کلام ہے یہ ساری خبریں ہیں۔ اب اس خبر کے ساتھ اگر دل پر کیفیت وارد ہو تو وہ حقیقتِ علم ہے، دراصل وہ علم ہے۔ جاننا ایک بات ہے، ماننا دوسری بات ہے۔ ماننے کے لیے وہ کیفیت حاصل کرنا پڑتی ہے۔

ایک بندے کو ایک خبر ملتی ہے اُس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بات سُنی، آئی گئی ہو گئی، خبر ہی رہی۔ ایک بندے کو ایک خبر ملتی ہے تو اُس کا دل بلیّوں اُچھلنے لگتا ہے، خوشی ہوتی ہے۔ اُسے اس کی کیفیت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اُس خبر کے ساتھ اُس پر کوئی کیفیت، کوئی حالت بھی وارد ہے۔ ایک بندے کو کوئی خبر ملتی ہے وہ سن کر بھول جاتا ہے، اور ایک بندے کو کوئی خبر ملتی ہے تو اُس کا دل دکھی ہوتا ہے۔ افسوس ناک خبر ہے، کوئی نقصان ہوگا کسی اپنے عزیز کو کوئی دکھ پہنچا تو اس پر ایک دکھ کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔ خبر الگ چیز ہے، کیفیت الگ چیز ہے۔ اُسی خبر سے ہر بندے کو خوشی نہیں ہوتی اور اُسی خبر سے ہر بندے کو دکھ بھی نہیں ہوتا۔ جس کا تعلق ہوگا اُس پر کیفیت وارد ہوگی۔ کسی کی ترقی کی، بہتری کی خبر ہے تو جس بندے کی بہتری ہوئی ہے اُس سے جس بندے کا تعلق یا رشتہ ہے، اُسے خوشی ہوگی۔ جس کا کوئی تعلق نہیں اُس کے لیے عام سی بات ہے، سُنے گا، بھلا دے گا۔ دکھ ہوتا ہے یا افسوس ہوتا ہے تو کسی سے کوئی تعلق، کوئی نسبت ہوتی ہے۔ عام بندوں کا نقصان ہوتا ہے، بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں ہمیں دکھ ہوتا ہے۔ ہمارا انسانی رشتہ بھی

ہے اُن کے ساتھ، ایمانی رشتہ بھی ہے۔لیکن وہی خبر دہشت گردوں کے پاس جاتی ہے، مارنے والوں کے پاس جاتی ہے تو انہیں تو کوئی افسوس نہیں ہوتا کہ کون مرگیا، کون نہیں مرگیا۔اس کا مطلب ہے خبر کا ہونا ایک بات ہے اُس کی کیفیت کا وارد ہونا دوسری بات ہے۔

کیفیت کے لیے تعلق شرط ہے۔اُس خبر میں آپ کا کوئی تعلق ہوگا تو کیفیت آئے گی نہیں ہوگا تو نہیں آئے گی۔اب یہ ساری خبر ہماری پاس ہوتی ہے، اللہ واحد ولاشریک ہے، ہم اُس کی تخلیق ہیں، ہم اُس کے بندے ہیں، ہم پر اُس کی بے شمار نعمتیں ہیں، ہمیں زندگی کے بعد موت بھی آنی ہے، ہمیں اُس کی بارگاہ میں جانا ہے، اس خبر کو کیفیت کیسے بنایا جائے؟ اس کی کیفیت کیسے آئے؟ بندے کا اللہ سے کیا رشتہ ہے، کس طرح ہوسکتا ہے؟ اللہ کریم نے قرآنِ کریم میں جگہ جگہ یہ بتایا ہے کہ بندے کا اللہ سے رشتہ یہ ہے کہ بندہ اُس کا ذکر کرے۔اللہ کی ذات خالق ہے، وریٰ الوریٰ، بندہ مخلوق ہے۔تو مخلوق خالق سے کیا رشتہ بنائے گی؟ بندے کے پاس اللہ نے ایک راستہ کھلا چھوڑا کہ جب تُو میرا ذکر کرے گا۔قرآنِ کریم میں، مختلف جگہ میں، جیسے اس آیت میں بھی ارشاد فرمایا: يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (سورۃ آلِ عمران: 191) اب یہ بھی ذکرِ دوام ہے۔یعنی ہر حال میں ذکر کرتے ہیں۔انسان کی یہی تین حالتیں ہیں، یا کھڑا ہے، یا بیٹھا ہے یا لیٹا ہے۔تو گویا ہر حال میں ذکر کرتے ہیں۔کیونکہ رشتہ اللہ کا بندے سے یہ ہے کہ بندہ اُس کا ذکر کرتا رہے اور ایک تعلق کی کیفیت پیدا کرلے تو اسے نسبت کہتے ہیں۔یہ جو تعلق کی کیفیت ہے اللہ سے، اس کے لیے ذکرِ الٰہی ہے۔یہ سننا، پڑھنا کہ اللہ واحد لاشریک ہے یہ خبر ہے۔تعلق پیدا ہو جانا اللہ سے، اُس کے بعد یہ خبر نہیں رہتی، یہ علم بن جاتا ہے، پھر اُس کی توحید کا ایک اثر دل پر آتا ہے، پھر بندہ غیر اللہ سے توقعات نہیں رکھ سکتا۔اپنا دکھ سکھ، اپنی ضرورتیں، اپنی حاجات اللہ کریم کے سامنے پیش کرتا ہے۔پھر اللہ کو چھوڑ کر کسی کے دروازے پر نہیں جاتا۔یہ ذکرِ الٰہی ہی اللہ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔تعلق ہو تو تفکر پیدا ہوتا ہے۔اگر تعلق ہی نہ ہو، ایک بندے کو نہ ہم جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں اُس کی کوئی خبر بھی آجائے تو ہمیں کیا فرق پڑے گا۔اچھی خبر ہو یا بری ہو سُن کر بھول جائیں گے اور جس سے تعلق ہے، دوستی ہے، واقفیت ہے، رشتہ داری ہے، عزیز داری ہے اُس کی خبر آئے گی تو ایک کیفیت بھی دل پر وارد ہوگی۔اس طرح اللہ سے تعلق ہوگا تو جو بات اللہ کی ہمیں سنائی جائے گی وہ خبر نہیں رہے گی وہ علم بنے گی، اُس کی ایک کیفیت دل پر وارد ہوگی، وہی توفیقِ عمل دیتی ہے۔اگر وہ کیفیت دل پر وارد نہ ہو تو بندہ سن لیتا ہے بھول جاتا ہے۔کس کو نہیں پتا کہ اللہ ہر جگہ، ہر وقت موجود ہے۔کون مسلمان ہے جو یہ بات نہیں مانتا؟ تو پھر جتنی فحاشی ہے، جتنی بدکاری ہے، جتنی شراب نوشی ہے، جتنی یہ دہشت گردی ہے، قتل وغارت ہے، یہ کام کرنے والے کلمہ گو ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں تو کیا یہ اللہ کے رُوبرو ہی کررہے ہیں؟ یہ بھی سب کا ایمان ہے کہ اللہ ہر وقت، ہر جگہ موجود ہے اور جوا خانے بھی چل رہے ہیں، شراب خانے بھی چل رہے ہیں، حرام گوشت بیچے جارہے ہیں، گاہکوں سے دھوکا کیا جارہا ہے، تو کیا یہ سب ہم اللہ کے رُوبرو کررہے ہیں؟ یہ کیفیت ہم میں نہیں ہے اس لیے گناہ کررہے ہیں۔یعنی یہ خبر ہے، ہمارے پاس ہے، اس کی جو کیفیات ہیں وہ نہیں ہیں۔تو وہ کیفیت تعلق سے بنتی ہے اور تعلق کی جو کیفیت ہے اُس میں پھر تفکر پیدا ہوتا ہے۔پھر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ میں کیا کروں، کیسے کروں، کیا نہ کروں، کیوں نہ کروں؟ یہ تفکر عظمتِ الٰہی کا ادراک، اُس کے سامنے اپنی بے بسی کا ادراک اور پھر نافرمانی کی جرأت نہ کرنا اُس کا نتیجہ ہے۔تو ذکرِ الٰہی کے بغیر تو اللہ اور بندے کا کوئی تعلق ہی نہیں پیدا ہوتا۔اللہ کا تعلق تو بندے سے ہر آن ہے کہ اُس کے ایک ایک سیل کو موت وحیات دے رہا ہے۔لیکن بندے میں یہ جرأت نہیں کہ اپنا تعلق اللہ سے کیسے پیدا کرے۔اس کا ایک ہی راستہ قرآنِ کریم نے بتایا، نبی کریم ﷺ نے بتایا اور قرآنِ کریم نے جس حکم کو سب سے زیادہ دُھرایا ہے وہ ذکرِ الٰہی ہے۔اس لیے کہ احکام پر عمل کے لیے خلوص کی قید ہے۔یعنی اداکاری نہ ہو، جو عمل کیا جائے وہ دل سے کیا جائے۔اب

دل سے عمل کیسے ہو جب دل خود ہی زندہ نہ ہو۔ دل میں حیات ہی نہ ہو یا حیات تو ہو لیکن کسی قابل ہی نہ ہو، بے ہوش پڑا ہو، بیمار پڑا ہو، کمزور پڑا ہو تو دل سے عمل کیا ہوگا؟ دل کی حیات ذکرِ الٰہی ہے۔ اس کی صفائی اور پالش کا ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے۔ تو جب ذکر کرتا ہے کوئی بندہ اور ارادتاً کرتا ہے اضطراری نہیں کرتا ہے، جو ارادی ذکر کرتا ہے وہ اور حدود قیود کے مطابق کرتا ہے، شریعت کی حدود کے اندر کرتا ہے، حضور ﷺ کے اتباع میں کرتا ہے تو ذکرِ الٰہی کا حکم پورا کرتا ہے۔

سورۃ المزمل میں جو ذکر کا، ذکر اسم ذات کا حکم ہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (سورۃ المزمل: 8)۔۔۔ یہ براہ راست نبی کریم ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے اور اُس میں تاکید کر دی گئی کہ اللہ اللہ کیجیے۔ اسمِ ذات اللہ ہے اسْمَ رَبِّكَ۔۔۔ اپنے پروردگار کے ذاتی نام کا ذکر کیجیے اور اتنا کیجیے کہ اللہ کی کائنات یاد ہی نہ رہے، محو ہو جائے۔ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (سورۃ المزمل: 8)۔۔۔ بالکل کٹ جائے کائنات سے، انسان کے ذہن میں کوئی مخلوق کا خیال ہی نہ رہے، صرف اللہ کی عظمت رہے۔ یہ تعلق مع اللہ پیدا کرتی ہے۔ جب تعلق ہوتا ہے تو پھر ایک فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ اس تعلق کی حفاظت کی جائے اسے دوام بخشا جائے، اِسے بڑھایا جائے، اس میں کمی نہ آئے۔ عدم اطاعت سے اس میں کمی آئے گی، اطاعت سے یہ اور مضبوط ہوگا تو پھر جا کر بات بنتی ہے اور یہی تفکر اور ذکر کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ ایک دوسرے سے بڑی مضبوطی سے جڑے ہوئے ہیں جب ذکر ہوگا تو فکر پیدا ہوگا۔ جو ذکر نہیں کرتے وہ بے فکرے ہوتے ہیں، آرام سے گناہ کرتے ہیں حالانکہ عقیدہ اُن کا بھی ہے کہ اللہ ہر وقت موجود ہے۔ بندوں سے چھپ چھپا لیتے ہیں جرأت نہیں ہے، یہ کام ایسا نہیں ہے کہ پبلک کے سامنے کر سکیں چھپا کر کر لیتے ہیں۔ لیکن عقیدہ تو اُن کا بھی ہے، ان کے پاس خبر ہے علم نہیں، اگر یہ خبر علم بن جائے، کیفیت بن جائے تو یہ کیفیت پھر خلوت میں بھی گناہ سے روکتی ہے۔ یہ کیفیت جو ہے یہی تفکر ہے اور یہ ذکر سے بنتی ہے۔

سوال: مقامات کا سلب ہونا تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن سلبِ نسبت سے کیا مراد ہے؟

جواب: نسبت اصطلاحِ تصوف میں اُن برکات نبوّت کا نام ہے جو کسی کو ایمان لانے کے بعد نصیب ہوتی ہیں۔ میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ دین کے دو شعبے ہیں تعلیماتِ رسول اللہ ﷺ اور برکاتِ رسول اللہ ﷺ، تعلیماتِ نبوّت اور برکاتِ نبوّت۔ تعلیماتِ نبوّت تو آج بھی الحمدللہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہم وہی نمازیں پڑھتے ہیں جو صحابہؓ پڑھتے تھے، ہم وہی قرآن پڑھتے ہیں جو وہ پڑھتے تھے، ہم ویسے ہی روزے رکھتے ہیں، لیکن وہ صحابیؓ بن گئے یہ برکاتِ نبوّت ہیں۔ اسی طرح جو ممتاز طبقے اُمت کے ہیں تابعی، تابعین، اہل اللہ، علمائے حق انہیں تعلیمات کے ساتھ وہ برکات بھی حاصل ہوتی ہیں اسی لیے یہ دوسروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ یہ جو برکات کا حصول ہے اِسے نسبت کہتے ہیں۔ جس طرح تعلیمات نسلاً بعد نسل وراثتاً پہنچتی ہیں ہمارا دین موروثی ہے، ہمیں وراثتاً ملا ہے۔ حضور ﷺ سے صحابہؓ نے سنا۔ صحابہؓ سے تابعین تبع تابعین نے حتیٰ کہ آج تک ہم نے اپنے باپ دادا سے، ہماری اولادوں نے ہم سے سنا یہ موروثی چل رہا ہے۔ زبانی، کلامی، تحریری، علمی طور پر ہمیں ملا۔ کیفیات بھی اسی طرح سینہ بہ سینہ چلتی ہیں۔ وہ کیفیات ایک سے دوسرے کو جو منتقل ہوتی ہیں اُسے نسبت کہتے ہیں۔ سلوک میں آپ فرماتے ہیں مقامات کا سلب ہونا سمجھ آتا ہے۔ میری سمجھ میں مقامات کا سلب ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ سلب ہوتی ہی نسبت ہے کیونکہ نسبت بنیاد ہوتی ہے۔ مقامات کی تو جب چیزیں سلب ہوتی ہیں تو یہ نہیں ہوتا کہ اس کے دس مقامات سے اُوپر کے دو گرا دو اور آٹھ رہنے دو۔ یہ نہیں ہوتا، نسبت سلب ہو جانا ایسے ہے جیسے بنیاد ہی سلب ہو جاتی ہے، سب کچھ دھڑام ہو جاتا ہے۔ آپ پوری تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں پڑھیں گے کہ کسی کے مقامات سلب ہوئے تو اُس کے پاس کچھ بچا بھی ہو۔

قرآن کریم میں بلعم بن باعور کا قصہ ہے۔ بہت پائے کا ولی اللہ تھا۔ قرآنِ کریم نے اُس کے حالات بیان فرمائے۔ قوم نے اُسے مجبور

کیا اور اُس نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف قوم کو مشورے دیئے۔ اللہ نے اس جرم میں نسبت سلب فرمائی۔ تو ولی سے راندۂ درگاہ بن گیا یعنی یہ نہیں کہ دو چار مقام اوپر کے سلب ہوئے، کچھ نہیں بچا۔ تو جب سلب ہوتی ہے کوئی چیز تو یہ نسبت ہی سلب ہوجاتی ہے یعنی بنیاد ہی سلب ہوجاتی ہے۔ وہ عمارت خواہ ہزار منزلہ ہو اس کی اینٹ اینٹ الگ ہوجاتی ہے، اُس کا ملبہ بھی نہیں بچتا۔ یہ مادی عمارتیں گرتی ہیں تو ملبہ تو نیچے رہ جاتا ہے، جب گرتی ہیں روحانی عمارتیں تو کوئی ملبہ بھی نہیں بچتا، کچھ باقی نہیں رہتا۔ تو دراصل سلب تو نسبت ہی ہوتی ہے اور یہ امور من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ کوئی صوفی، کوئی ولی اللہ یہ محنت تو کرتا ہے کہ کسی کو نسبت نصیب ہو، کوئی ولی اللہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کی نسبت سلب کرلے۔ کیونکہ یہ اُس کا کام نہیں ہے۔ ہاں! جب کوئی گستاخی سرزد ہو یا دل میں میل آتا ہے، اُس کے عقائد بگڑتے ہیں، مقاصد بگڑتے ہیں، نظریات بگڑ جاتے ہیں، اللہ کی رضا کے بجائے مقصد دولت کا حصول بن جاتا ہے، اپنی اہمیت بن جاتا ہے تو من جانب اللہ وہ نسبت سلب ہوجاتی ہے اور جب سلب ہوتی ہے تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ (سورۃ الفتح: 10)۔۔۔ جو نقصان کرتا ہے، جو گراتا ہے، جو توڑتا ہے وہ اپنے آپ کو تباہ کرکے رکھ دیتا ہے کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ تو قرآنِ کریم کی آیتِ کریمہ بھی بتاتی ہے کہ جن کے مقامات سلب ہوتے ہیں ان کے اپنے کردار کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جو خود توڑتا ہے اپنے حالات کو، اُس کے جب کردار یا عقائد میں کوئی خرابی آتی ہے یا نظریہ بدلتا ہے تو نسبت سلب ہوجاتی ہے اور پھر کچھ نہیں بچتا۔

سوال: روحانی طور پر روضۂ اطہر اور مسجدِ نبوی میں حاضری کے کیا آداب ہیں؟

جواب: روحانی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی، حضور ﷺ کے زمانۂ اقدس میں بھی اور حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی، روضۂ اطہر اور مسجدِ نبوی کے وہی آداب ہیں جو آپ کی دنیا میں موجودگی کے وقت تھے۔ یعنی آپ کوئی خلاف ادب حرکت نہیں کریں گے۔ آواز اونچی نہیں کریں گے۔ حضرت فاروقؓ کی موجودگی میں کوئی بدو مسجدِ نبوی میں داخل ہوا اور اس نے ذرا اونچی آواز میں بات کی تو شروع شروع میں مسجدِ نبوی میں کنکر بچھے ہوئے تھے تو سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے کنکری اٹھا کر اُسے ماری اور خاموشی سے اپنے طرف متوجہ کیا اور اشارے سے منع فرمایا اور اُسے آرام سے سمجھایا، کہا کہ اگر تم اجنبی نہ ہوتے، بدّوی نہ ہوتے تو میں تمہیں درے سے مارتا۔ یہاں آواز اونچی کرنا خلافِ ادب ہے تو جو آداب حضور اکرم ﷺ جب دارِ دنیا میں تشریف رکھتے تھے وہ آداب مسجدِ نبوی اور روضۂ اطہر کے آج بھی ہیں اور روحانی طور پر بھی اُس سے زیادہ مؤدب ہونا پڑتا ہے۔

سوال: ذکر کرتے وقت روشنی کے بجھا دینے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: یہ ہماری کمزوریاں ہیں کہ جب روشنی ہوتی ہے یا کوئی آواز کھٹکا آتا ہے تو ہم غیر ارادی طور پر بھی اُدھر متوجہ ہوجاتے ہیں۔ جب توجہ تام نصیب ہوجائے تو دن کی روشنی میں بھی ذکر ہوتا رہتا ہے، تو توجہ کو بھٹکنے سے بچانے کے لیے یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ الگ کمرے میں بیٹھا جائے، کوئی آواز ڈسٹرب نہ کرے، روشنی گل کردی جائے، کسی طرف نظر نہ بھٹکے، اپنی کمزوریوں سے بچنے کے لیے یہ اہتمام کیے جاتے ہیں۔

سوال: شیخ کی توجہ سے بھی برکات ملتی ہیں اور محبت سے بھی یا صحبت شیخ کی برکات الگ ہوتی ہیں؟

جواب: ہاں جی صحبت کے اثرات الگ ہوتے ہیں۔ توجہ صحبت سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے اور توجہ سے جو برکات ملتی ہیں وہ بہت طاقتور ہوتی ہیں اُس میں طالب کی تمنا بھی شامل ہوتی ہے اور شیخ کا ارادہ بھی شامل ہوتا ہے اور زیادہ مضبوط ہوجاتی ہے۔ لیکن توجہ ہمہ وقت مل نہیں سکتی، کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے اور صحبت ہمہ وقت مل سکتی ہے۔ جو شیخ سعدیؒ نے ایک واقعہ منظوم کیا تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ شیمپو کیا صابن بھی نہیں تھا۔ خاص قسم کی مٹی سے لوگ نہایا کرتے تھے۔ میرے پاس وہ ایک بوتل بھری ہوئی رکھی ہے جس سے سر بھی دھوتے تھے، نہاتے

تھے۔ یہ ہمارے پہاڑوں سے بھی نکلتی تھی۔ دور دور سے لوگ آ کر نکال کر لے جاتے ہیں، آج بھی اُس سے بال دھوئیں تو ریشم کی طرح ہوجاتے ہیں۔ لوگ نہانے کے لیے بھی اُسے استعمال کرتے تھے، صابن اس وقت نہیں بنا تھا۔ تو مولانا سعدیؒ نے منظوم کی ہے کہ حمام میں کسی دوست نے خوشبودار مٹی دی، اس میں بڑی خوشبو تھی۔ تُو میں نے اُس مٹی سے کہا کہ تمہاری خوشبو نے تو مجھے حیران کر دیا ہے، تُو کستوری ہو یا عنبر ہو، کیا بلا ہو؟ اُس نے کہا کہ میں تو ایک عام مٹی ہوں لیکن مجھے کچھ دن پھولوں میں رکھا گیا۔ وہ جو اُن کی خوشبو تھی وہ اُن کی ہم مجلس ہونے کی وجہ سے، اُن کے ساتھ رہنے کی وجہ سے مٹی میں رچ بس گئی ورنہ میں تو آج بھی وہی عام مٹی ہوں۔

گل خوشبوئے درِ حمام روزِ است دست محبوب بدستم

کسی دوست نے مجھے حمام میں بہت خوشبودار مٹی دی۔

بدو گفتم کہ مشکی یا عنبری کہ از بوئے دل آویز مستم

میں نے اُس مٹی سے کہا کہ تم مشک ہو کستوری ہو عنبر ہو کہ تمہاری خوشبو نے تو مجھے مست کر دیا ہے۔

بگفتہ من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدت بہ گل نشتم

اُس نے کہا کہ میں تو ایک عام سی مٹی تھی ایک عرصہ مجھے پھولوں میں رکھا گیا۔

جمالِ ہمنشیں درمنِ اثر کرد
وگرنہ من ہوا خاکم کہ ہستم

تو وہ صحبت جو تھی اُس میں پھول کا جمال اور حسن اور خوشبو مجھ میں رچ بس گئی۔ ورنہ میں تو آج بھی وہی مٹی ہوں۔ تو یہ اثر صحبت کا ہوتا ہے اور توجہ کا اثر اگرچہ اس سے مضبوط ہوتا ہے لیکن وہ ہمہ وقت نہیں ہوتا لیکن صحبت کا اثر دائمی ہے، جب بھی چاہیں نصیب ہوجاتی ہے۔ دونوں کے الگ الگ اثرات ہیں۔ صحبت سے توجہ کے اثرات کو قبول کرنے کی استعداد بھی پیدا ہوتی ہے۔ صحبت سے وہ استعداد بڑھتی ہے جو توجہ کو قبول کرتی ہے۔

بچوں کا صفحہ، بقیہ صفحہ نمبر 39 سے آگے

کہ تمہارے پاس تین روٹیاں تھیں اور تمہارے ساتھی کے پاس پانچ، کل آٹھ روٹیاں تھیں اور کھانے والے تین لوگ تھے۔ اب اگر ہر روٹی کے تین تین ٹکڑے کریں تو آٹھ روٹیوں کے چوبیس ٹکڑے بنتے ہیں۔ ان چوبیس ٹکڑوں کو تین لوگوں پر تقسیم کریں تو ہر ایک کے حصے میں آٹھ ٹکڑے آتے ہیں۔ پس آٹھ ٹکڑے تم نے کھائے، آٹھ تمہارے ساتھی نے اور آٹھ ٹکڑے مسافر نے۔ تمہاری روٹی کے کل نو ٹکڑے بنے تھے، اس میں سے آٹھ تم نے کھا لیے اور تمہاری روٹیوں میں سے صرف ایک ٹکڑا اس مسافر نے لیا۔ جبکہ تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے بنے جن میں سے آٹھ اس نے خود کھائے اور سات ٹکڑے مسافر نے کھائے۔ تو اس لحاظ سے تمہارے حصے میں صرف ایک درہم آتا ہے۔ اور تمہارے ساتھی کے حصے میں سات درہم آتے ہیں۔ یہ سب سُن کر وہ آدمی حیران سا رہ گیا اور اُس نے ایک درہم ہی قبول کر لیا۔

اس زمانے میں تلواروں سے جنگ ہوتی تھی۔ ایک جنگ کے دوران حضرت علیؓ نے اپنے مقابل والے کافر کو گرا لیا اور اس کے اوپر بیٹھ گئے۔ قریب تھا کہ اپنی تلوار سے اسے ختم کر دیتے کہ اُس کافر نے حضرت علیؓ پر تھوک دیا۔ یہ ایک ایسی حرکت ہے کہ کسی کے اوپر بھی تھوکا جائے تو وہ شخص غصے میں آ جاتا ہے۔ حضرت علیؓ کو بھی غصہ آ گیا لیکن وہ اس کافر کو چھوڑ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ وہ کافر حیران سا ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے سوچا کہ اب مرنا تو ہے ہی تو کیوں نہ اپنی نفرت کا اظہار کر دوں، لیکن آپؓ نے مجھے اس بُری حرکت کے باوجود چھوڑ کیوں دیا؟ حضرت علیؓ فرمانے لگے کہ میں یہ جنگ اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑ رہا تھا، میرا تم سے کوئی ذاتی جھگڑا نہیں۔ لیکن جب تم نے مجھ پر تھوک دیا تو مجھے بہت غصہ آیا۔ مجھے ڈر ہوا کہ تمہارا مارا جانا اس غصے کی وجہ سے نہ ہو جائے، اس لئے میں نے تمہیں چھوڑ دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی خاطر جہاد کرنے کے اجر سے محروم نہ ہو جاؤں۔ وہ کافر یہ سن کر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا کیونکہ اسے یہ بات سمجھ آ گئی کہ مسلمان ہر کام اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے کرتا ہے۔ اسلام وہ سچا دین ہے کہ جس کے ماننے والے اپنی زندگیاں صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے گذارتے ہیں اور ان کا جینا مرنا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوتا ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو اور چند مقبول دعائیں

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

(اکرم التفاسیر، ج:1 سے انتخاب)

مقامِ ابراہیمؑ کی فضیلت:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (سورۃ البقرہ: 145)۔۔۔ اور لوگو! مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو سجدہ گاہ بناؤ۔ عمرہ ہو یا حج، یا ویسے کوئی طواف کرے تو ہر طواف کے بعد مقامِ ابراہیم علیہ السلام پہ دو نفل ادا کرتا ہے، یہ اس کا حصہ ہے۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۔۔۔ بیت اللہ شریف میں مقامِ ابراہیم پر ایک سفید رنگ کا پتھر آج بھی موجود ہے کہ جیسے جیسے بیت اللہ کی تعمیر ہوتی تھی اِس پتھر پہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر تعمیر کرتے جاتے تھے، دیوار اونچی ہوتی جاتی تھی اور پتھر از خود اونچا ہوتا جاتا تھا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تھا۔ آپ علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی اور اِس پتھر میں دو ڈھائی انچ گہرائی تک آپ علیہ السلام کے نقوش کفِ پا مبارک اتر گئے۔ آج بھی زائرین کی زیارت کے لئے بیت اللہ شریف کے سامنے وہ ایک شیشے میں بند رکھا ہوا ہے۔ سفید رنگ کا پتھر ہے، جیسے سنگِ مرمر ہوتا ہے اور اِس میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پاؤں دو ڈھائی انچ تک گہرائی میں لگے ہوئے ہیں۔ تو فرمایا: اِس جگہ، جہاں یہ پتھر رکھا ہے، یہاں نوافل ادا کرو۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور اسمٰعیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ ہمارے گھر کو صاف رکھیں پاکیزہ رکھیں، اعتکاف کرنے والوں کے لئے، رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے اور طواف کرنے والوں کے لئے، زیارت کرنے والوں کے لئے، حج کرنے والوں کے لئے، عمرہ کرنے والوں کے لئے، یعنی اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے اِس گھر کو ہمیشہ پاکیزہ، صاف ستھرا رکھیں۔ اِس میں کوئی دینی قباحت ہو نہ کوئی دنیوی قباحت ہو، اِس میں کوئی غلاظت یا گندگی بھی نہ ہو اور دینی اعتبار سے کوئی بت، کوئی اس طرح کی خباثت اِس میں نہ ہو۔

حرمین میں ثمرات کی فراوانی:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ۔۔۔ اللہ نے حکم دیا تو آپ علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر فرمایا، پھر اُس کو صاف ستھرا کیا، سجایا، اُس میں عبادت شروع کی اور دعا کی، اے اللہ! اِس شہر کو شہرِ امن بنا دے اور اِس میں رہنے والوں کو پھل اور رزق عطا فرما جو بھی تیری ذات پر اور آخرت پر ایمان لائے۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے دعا کی ہے اور آپ علیہ السلام نے صرف مسلمانوں اور مومنین کے لئے دعا کی ہے، لیکن میں دنیا میں کافر کو بھی اِن نعمتوں سے محروم نہیں کروں گا، جو اِس شہر میں آیا اگر وہ مومن نہ بھی ہوا تو اُسے رزق ملے گا اور پھل بھی ملیں گے۔

آج تو یہ تکنیک عام ہو گئی ہے کہ ہر موسم میں پھل ملتا ہے اور کچھ نقلی طریقے سے، کچھ ایسی ادویات بن گئی ہیں، ایسی کھادیں بن گئی ہیں کہ بغیر موسم کے سبزیاں اور پھل پیدا کئے جاتے ہیں، لیکن

ایک زمانہ تھا جب یہ چیزیں نہیں تھیں۔ آج سے پچیس تیس سال پہلے ایسا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ لیکن مکہ مکرمہ میں روزِ اوّل سے لے کر آج تک کبھی موسم یا زمانے کی قید نہیں رہی۔ ہر زمانے کا پھل موجود ہوتا ہے اور ایک شہر میں پینتیس پینتیس لاکھ لوگ باہر سے جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی کوئی بھوکا نہیں سوتا۔ سب کے رزق کا اہتمام بھی ہوتا ہے اور دنیا کا ہر پھل بھی وہاں ملتا ہے۔

لیکن فرمایا: مومن کے لئے تو درست، دنیا میں کافر کو بھی دوں گا لیکن اُس کا فائدہ حاصل کرنے کا وقت کم ہوگا۔ تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی اِس طرح منظور ہوئی کہ وہ شہر شہرِ امن بھی بنا اور اس میں آج تک رزق کی بھی کوئی کمی کسی نے محسوس نہیں کی۔ اللہ کریم اپنی نعمتوں سے اور اپنے رزق سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بھی دے، لیکن اپنی ذات کے ساتھ ایمان پر پختہ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دنیاوی دولت یا دنیاوی شہرت یا دنیاوی وقار کوئی چیز نہیں اگر اس کے بدلے آخرت ضائع ہو جائے، اور اللہ کریم آخرت کو محفوظ رکھیں، ایمان کو محفوظ رکھیں، توفیقِ عمل دیں اور اس کے ساتھ دنیا کی عزت بھی دیں تو یہ اُس کا انتہائی کرم ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے مل کر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی قربانیوں سے عبارت ہے۔ بچپن سے، لڑکپن سے لے کر حین حیات، اللہ جل شانہٗ کی اطاعت میں قربانیوں کا ایک تسلسل ہے۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس قابل ہوئے کہ آپ علیہ السلام کی مدد کر سکتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ بیت اللہ شریف کی جگہ وہی ہے جو روزِ اوّل سے مقرر تھی اور جہاں آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی۔ طوفانِ نوح علیہ السلام میں عمارت ختم ہوگئی اور ایک چھوٹی سی ٹیکری رہ گئی تھی جس کے گرد اگرد پانی طواف کرتا تھا۔ مکہ مکرمہ ایک ایسا شہر ہے جس میں پانچ پہاڑیاں اور ان کے درمیان نالے ہیں۔ اکثر و بیشتر سارے نالے بیت اللہ کی جگہ پہ اکٹھے ہو کر ایک سمت کو بہتے ہیں۔ اس طرح ہر طرف سے پانی آتا تھا جو وہاں سے ایک سمت کو نکلتا۔ درمیان میں ایک چھوٹی سی پہاڑی نما جگہ تھی۔ اُنہی بنیادوں پر جبرائیل امین علیہ السلام نے نشاندہی فرمائی اور حجرِ اسود جو جنّت سے آدم علیہ السلام کے ہمراہ آیا تھا، اُس میں نصب فرمایا گیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کر رہے تھے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۔۔۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری محنت، مجاہدہ، یہ کام قبول فرما اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴿۱۲۷﴾ ۔۔۔ کہ بیشک تُو ہماری گذارشات بھی سن رہا ہے اور جاننے والا بھی ہے، جو ہمارے دل میں ہے وہ تُو جانتا بھی ہے۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۔۔۔ اے اللہ! ہم دونوں کو اپنا اطاعت گزار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا فرما جو ہمیشہ آپ کی اطاعت گزار رہے۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا اور ہمیں طواف، حج، عمرے، عبادات اور اپنی اطاعت کے طریقے بھی بتا اور ہماری توبہ قبول فرما، ہم پر رحمت فرما۔ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴿۱۲۸﴾ ۔۔۔ یقیناً تُو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دونوں اولوالعزم رسول ہیں، وہ خلیل اللہ علیہ السلام ہیں، یہ ذبیح اللہ علیہ السلام ہیں۔ دونوں کی زندگی بے مثال قربانیوں سے عبارت ہے۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر کر رہے ہیں اور عرض یہ کر رہے ہیں، یا اللہ! ہماری یہ کاوش قبول فرما۔ ساری زندگی کی قربانیوں، نیکی اور تقویٰ اور اپنی رسالت و نبوت پہ کوئی غرور اور گھمنڈ نہیں ہے۔

نبوت وہبی چیز ہوتی ہے جو اللہ کریم اپنی طرف سے عطا کرتا ہے اور نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے، اُس سے کبھی گناہ کا صدور نہیں ہوتا۔ ہمیشہ قربِ الٰہی کے منازل میں ترقی کرتا رہتا ہے۔ یاد رکھیں! جس

طرح اللہ کی ذات لامحدود ہے اُس کی کوئی حد نہیں، اسی طرح قربِ الٰہی کی بھی کوئی انتہا اور کوئی حد نہیں ہے۔ جن لوگوں نے یہ فرمایا ہے یا لکھا ہے کہ فلاں نے سلوک مکمل کر لیا، یہ اُن کی نادانی ہے، سلوک کبھی ختم نہیں ہوتا۔ قربِ الٰہی کے منازل انبیاء علیہم السلام کے بھی ختم نہیں ہوتے تو ولی، جو اُن کی جوتیوں کی خاک ہوتا ہے، وہ کیسے ختم کر لے گا؟ اللہ ہر جگہ ہے اور جہاں تک چلتے جائیں اُس کی تلاش جاری رہتی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منازلِ قرب میں ترقی ہمیشہ ہوتی رہتی ہے، زندگی میں بھی، دنیوی زندگی کے بعد بھی، میدانِ حشر میں بھی اور جنت الفردوس میں بھی، ہر آن قربِ الٰہی میں نبی کو ترقی نصیب ہوتی رہتی ہے۔ تو قربِ الٰہی کی انتہا نہیں ہے کہ کہیں بس ہو جائے، اور یہی بات یہاں ہے کہ بیت اللہ بنا رہے تھے، ساری زندگی اللہ کی اطاعت، زہد، ورع و تقویٰ اور قربانیاں عبارت ہیں اور پھر درخواست کر رہے تھے کہ اے اللہ! ہماری اِس کاوش کو قبول فرما۔

خلیل اللہؑ اور ذبیح اللہؑ کی دعائیں:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ۔۔۔ اے اللہ! ہمیں ہمیشہ اپنا فرمانبردار بنائے رکھ، کہیں ہم سے کوئی سُستی نہ ہو۔ حالانکہ نبیؑ سے گناہ محال ہے، نبی معصوم ہوتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کا کردار مخلوق اور تعلیمِ امت کے لئے ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام رہنمائی فرما رہے تھے کہ کسی جگہ، کسی نیکی کے معیار پر آ کر بندے کو نازاں نہیں ہونا چاہیے بلکہ مزید نیکی کی توفیق، اور جو کمی رہ گئی ہے اُس کی معافی مانگتے رہنا چاہیے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ۔۔۔ اے اللہ! ہم دونوں کو اپنا اطاعت گزار بنائے رکھ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ۔۔۔ اے اللہ! ایک کرم اور فرما، ہماری نسل میں بھی اپنے اطاعت گزار بندے پیدا کر، اور یہ اُنہی کی دعا کا اثر ہے کہ اُن کے بعد کبھی دنیا سے دین ختم نہیں ہوا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت ایک شخص ایسا تھا جس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا کہ میں جانتا ہوں حق کیا ہے اور بولتا اِس لئے نہیں کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے، لیکن جب میری آنکھ بند ہو گی تو محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو جائیں گے۔ جس نبیؑ کی تجھے تلاش ہے وہ نبیؑ مبعوث ہو جائے گا، اس لئے کہ زمین پر سے حق مٹے گا نہیں، ایک بندے کی صورت میں بھی حق موجود ہے۔ یہی دعا ہے کہ یا اللہ! ہمیں بھی اپنا اطاعت شعار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت ایسی رکھ جو ہمیشہ تیری اطاعت گزار ہو۔ اُمَّةً مُّسْلِمَةً۔۔۔ ایسی ایک جماعت قائم رکھ جو ہمیشہ تیری اطاعت گزار رہے۔ اب آدمی کے سامنے آئینہ ہے، اللہ کا قرآن اور اللہ کی کتاب، اللہ کے دو اُولوالعزم رسولوں کا یہ فرمان اور گذارش کو سامنے رکھ کر وہ اپنے آپ کو، اپنے کردار کو دیکھ سکتا ہے، اپنی نیت کو جانچ سکتا ہے، اپنے اعمال کو پرکھ سکتا ہے۔

تو ساری ولایت، ساری نیکی، بزرگی، ذکر و اذکار، تزکیہ اور پاکیزگی یہ ہے کہ آدمی کا کردار اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ڈھلتا جائے۔ اگر یہ بات نصیب ہے اور اُس کا سفر نیکی کی طرف جاری ہے تو اللہ کا مقبول بندہ ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو ہزاروں شعبدے اُسے حاصل ہو جائیں، اپنے آپ کو صاحبِ کرامت سمجھتا رہے، اُسے کشف و مشاہدے ہوتے رہیں، خواب آتے رہیں، وہ پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑتا بھی رہے تو کیا کمال ہے؟ ایک مکھی بھی اُڑ لیتی ہے، گدھ بھی اُڑ لیتا ہے، ایک بندے نے اُڑ لیا تو کیا کمال ہو گیا؟ پانی پر چلتا رہے تو پانی پر تو مینڈک بھی چل رہے ہوتے ہیں، کوئی کمال نہیں ہے۔ نسلِ انسانی کے لئے سب سے بڑا کمال ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی اور اللہ کی اطاعت، اور بڑی سے بڑی ولایت اور مجاہدے اور ذکر اذکار کا حاصل یہ ہے کہ اُسے اطاعتِ الٰہی نصیب ہوتی جائے اور یہی دعا یہاں دونوں اُولوالعزم رسول کر رہے ہیں۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً ۔۔۔ ہماری اولاد میں سے ہمیشہ ایک جماعت ایسی رکھ جو تیری اطاعت گزار رہے۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۔۔۔ اے اللہ! ہمیں طریقۂ عبادت بھی بتا، یہ بڑا نازک مقام ہے۔ محبت ایک جذبہ ہے جو کسی سے تعلقات کا بہت اونچا اور

با کمال مقام ہے۔ جس کسی سے محبت ہوتی ہے خواہ ہمارا دوست ہو یا بھائی یا کوئی عزیز، رشتہ دار، اُس کی خاطر مدارت اپنی پسند سے کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر اچھا کھانا اس کو کھلائیں، ہر طرح سے اسے خوش کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن یہ محبت جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہوتی ہے تو پھر محبت کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ وہاں ہماری مرضی نہیں چلتی، وہاں دیکھنا پڑتا ہے کہ اللہ اور اُس کا حبیب ﷺ کس انداز سے خوش ہوتے ہیں، وہاں محبت کا ڈھنگ بدل جاتا ہے۔ آپ اگر اپنے ماحول میں دیکھیں تو آپ کو بیشمار قباحتیں نظر آئیں گی جو ہم نے محبت کے نام پر ایجاد کر لی ہیں جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں، نہ ہی جن کا حکم اللہ کی طرف سے ہے، نہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے۔ بیشمار رسومات ہم نے ایجاد کر لی ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہے اور اس پہ ہمیں دعویٰ یہ ہے کہ ہم محبت میں کر رہے ہیں۔ محبت میں نافرمانی کا کیا کام ہے؟ یہ کون سی محبت ہے جو آپ ﷺ کے احکام سے برگشتہ کر رہی ہے؟

باوجود یہ کہ دونوں اُولوا العزم رسول ہیں لیکن تعلیم امت کے لئے فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمارا کوئی کام بھی ہماری مرضی سے نہ ہو بلکہ تُو ہمیں بتا کہ ہمیں کیا کرنا ہے اور ہم وہ کرتے ہیں۔ نیکی کیا ہے؟ وہ کام جس کے کرنے کا اللہ حکم دے، وہ کام جس کے کرنے کا اللہ کا حبیب ﷺ حکم دے اور اُس طریقے سے کیا جائے جس طریقے سے محمد رسول اللہ ﷺ کرنے کا حکم دیں۔ دونوں چیزیں نیکی میں ضروری ہیں۔

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا۔۔۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے اور راستے دکھا تا رہ۔ وَتُبْ عَلَيْنَا۔۔۔ ہم نیکی کریں، اطاعت کریں، پھر بھی ہم مخلوق ہیں تُو مالک الملک ہے، تیری شان کجا! مخلوق سے اُس پائے کی نیکی اور اطاعت نہ ہو سکے گی جو تیری بارگاہ کے لائق ہو، تو ہماری توبہ قبول فرما۔ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۲۸ ۔۔۔ اس لئے کہ تُو تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ نیکی پر فخر کرنے کی بجائے نیکی کر کے بھی اس بات سے ڈرنا کہ جو تحفہ میں نے اُس کی بارگاہ میں سجدوں کا بھیجا ہے، میرے سجدے اِس لائق نہیں کہ جو عظمت اُس کی بارگاہ کی ہے، اور یہ عرض کرتے رہنا چاہیے کہ اے اللہ! یہ ٹوٹے پھوٹے سجدے قبول فرما، تیری شان کے لائق نہیں ہیں لیکن مجھ میں وہ استعداد نہیں ہے، میں عاجز مخلوق ہوں، ناکارہ بندہ ہوں، میرے حال پہ رحم فرما، میری توبہ قبول فرما۔

پھر وہ دعا فرمائی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔۔۔ سبحان اللہ! اللہ کے بندوں کا بھی عجب حال ہوتا ہے! ہم نیکی کریں، عبادت کریں، ہماری سوچ ہماری ذات تک محدود ہوتی ہے اور ہم اپنے لئے مانگتے نہیں تھکتے، اور اللہ کے بندے کیا عجیب لوگ ہوتے ہیں کہ مجاہدے میں، اطاعت میں، فرمانبرداری میں اپنی عمر لگا دی اور جب مانگنے کی باری آئی تو دوسروں کے لئے مانگتے ہیں۔ کتنا فرق ہے؟ عام آدمی میں اور ایک اللہ کے بندے میں کتنا فاصلہ ہے کہ ہم کوئی نیکی، صدقہ، عبادت کریں اور پتہ نہیں کہ صحیح بھی ہوتی ہے یا نہیں لیکن پھر بھی اُس پہ ہمیں بڑا ناز ہوتا ہے اور ہم اپنے لئے دنیا کی حکومت مانگ لیتے ہیں۔ دنیا کی حکومت مانگنے کا مطلب ہے کہ ہر کام ویسے ہی ہو جائے جیسے میں چاہتا ہوں۔ لیکن مانگنا بھی عبادت ہے، ہم اپنے لئے مانگتے نہیں تھکتے جبکہ اللہ کے بندوں کا عالم یہ ہے کہ زندگی نچھاور کر دی اطاعتِ الٰہی میں، اور جب مانگنے کی باری آئی تو آنے والی نسلوں کے لئے، نوعِ انسانی کے لئے مانگ رہے ہیں۔

دعا کرتے ہیں: اے اللہ! ہماری نسلوں میں سے ایک جماعت دینداروں کی ضرور رکھنا، سب کو شیطان کے سپرد نہ کر دینا اور پھر اُن پر یہ کرم فرما: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۔۔۔ اُن میں سے ایک ہستی کو ایسا رسول ﷺ مبعوث فرما جو تیری آیات اُن پر تلاوت فرمائے، اُنہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے وَيُزَكِّيْهِمْ ۔۔۔ اُنہیں پاک کر دے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، اپنی والدہ

ماجدہ کا خواب ہوں۔ آپ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تھی، یا اللہ! ان میں ایسا رسول مبعوث فرما جو بندوں کو اللہ سے ہم کلام کر دے -یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ--- تیری باتیں اُن پر تلاوت کرے اور اللہ کا کلام بندوں تک پہنچائے اور بندوں کو اللہ کے رُوبرو کھڑا کر دے اور اُنہیں اللہ سے ہم کلام کر دے۔ دیکھو! محمد رسول اللہ ﷺ کا کمال کہ ماوشا بھی اللہ سے بات کرتے ہیں۔ اب یہ ہمارے نصیب کہ ہم وہ دل سے کر رہے ہیں یا نماز میں کھڑے ہوئے بھی کہیں باہر گھوم رہے ہیں، لیکن یہ دروازہ تو محمد رسول اللہ ﷺ نے ہر کلمہ گو کے لئے کھول دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ نمازی کے آگے سے نہ گزرو فَاِنَّہٗ یُنَاجِیۡ رَبَّہٗ--- وہ اپنے پروردگار سے سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے، اپنے دل کی بات کر رہا ہے، اپنا دکھ درد کہہ رہا ہے، اپنے رب کی تعریف کر رہا ہے، اس کے آگے سے نہ گزرو۔

یہی دعا تھی حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی، اے اللہ! ان میں ایسا عالی شان رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری ذات سے ہم کلام کر دے، تیری آیات ان پر تلاوت کرے اور کتاب اور حکمت کی تعلیم سے انہیں آشنا کر دے۔ نہ صرف تیری کتاب تلاوت کرے بلکہ کتاب کے مفاہیم، حکمت کی تعلیم بھی فرمائے۔ بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ قرآن حکیم ایک عربی کتاب ہے، نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی، آپ ﷺ نے عطا کر دی اور اب اس کے معنی ہم گرائمر کی رُو یا صرف ونحو کی رُو یا علمِ کلام کی رُو سے سمجھ سکتے ہیں۔ قرآن کریم وحیٔ الٰہی ہے۔ جب اس کا نزول ہوتا، اُس وقت بیشمار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خدمتِ عالی میں حاضر ہوتے لیکن سوائے نبی کریم ﷺ کی ذات کے کوئی نہیں سن سکتا تھا۔ وحی کے نزول کے بعد جب حضور ﷺ یہ سوال فرماتے کہ جانتے ہو اس آیت کا معنی اور مفہوم کیا ہے؟ تو خلفائے راشدین اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی عرض کرتے:

اللہ و رسولہٗ اعلم ---اللہ اور اُس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ جس نے بات ارشاد فرمائی وہ جانتا ہے اور جس نے سنی وہ جانتا ہے۔ ہمیں آپ ﷺ بتا رہے ہیں کہ اِس کا مفہوم کیا ہے، یہ منصب بھی آپ ﷺ ہی کا ہے۔ آج بھی اگر مسلمانوں کا ہر فرقہ اِس بات پہ آجائے کہ ہر آیت کا وہ مفہوم لیا جائے جو حضور ﷺ نے سمجھایا اور حضور ﷺ کے مخاطبین نے سمجھا تو مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہیں رہتا۔ فرقہ بندی کی جڑ یہ ہے کہ ہم قرآن تو اللہ کا پڑھتے ہیں لیکن معنی اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو معنی عطا فرمائے اُنہیں چھوڑ دیتے ہیں، یہاں سے فرقہ بندی شروع ہو جاتی ہے۔

یہ حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا تھی: اللہ! ایسا عظیم الشان رسول ﷺ مبعوث فرما جو اُن پر تیری آیات تلاوت فرمائے اور اُن آیات کے مفاہیم بھی اُنہیں سمجھائے اور اُنہیں وہ دانائی عطا فرمائے جو اس کی وضاحت کر دے۔ حضور اکرم ﷺ نے کتاب اللہ کی وضاحت فرمائی، جسے سمجھنے کے لئے آپ ﷺ کی حدیث بھی اُتنی ہی ضروری ہے جتنا قرآن کریم۔ حدیث کا منکر بھی ویسا ہی کافر ہے جیسا قرآن کا منکر کافر ہے، اس لئے کہ حدیث کے بغیر قرآن حکیم کے مفہوم کی سمجھ ہی نہیں آتی۔

حدیث کیا ہے؟ سیدنا عائشہ صدیقہ حبیبۂ حبیب کبریا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُمّ المومنین سے کسی نے سوال کیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کے بارے کچھ ارشاد فرمائیے تاکہ میرا دل روشن ہو۔ اُنہوں نے مختصر سا جواب دیا، فرمایا: نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کی حقیقت یہ ہے کہ آپ حضور اکرم ﷺ کی عظمت سے آشنا ہونا چاہتے ہیں تو پھر قرآن ہی پڑھیں۔ قرآن آپ ﷺ کے سارے اخلاقِ کریمانہ کو بیان کرتا چلا جاتا ہے۔

خواتین کا صفحہ

حضرت اُمِّ کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا

"سیر الصحابیاتؓ مع اسوۂ صحابیات" سے ماخوذ

نام ونسب:

اُمِ کلثوم کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، اُمِ کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ابن ابی عمرو بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، والدہ کا نام اروی بنت کریز تھا۔ اس بناء پر حضرت عثمانؓ اور حضرت اُمِ کلثومؓ اخیافی بھائی بہن ہیں۔ اُمِ کلثومؓ کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلہ اُمیہ کا ایک ممتاز شخص تھا۔ اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی، لیکن خدا کی قدرت دیکھو! اس نے اسی ظلمت کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا، یعنی اس کی صاحبزادی حضرت اُمِ کلثومؓ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

ہجرت:

7ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت اُمِ کلثومؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ خزاعہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ سے پاپیادہ روانہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلی تھیں، اس لیے ان کے بھائی پیچھے سے آئے۔ مدینہ منورہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے۔ حضرت اُمِ کلثومؓ نے فریاد کی کہ مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے، میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا۔ اس لیے آپؐ کو فکر ہوئی، لیکن چونکہ اس میں عورتیں داخل نہ تھیں۔ اس لیے ان کے متعلق خاص یہ آیت اُتری۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ (سورۃ الممتحنۃ:10)۔۔۔

"مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو۔"

اور آپؐ نے اس کے مطابق حضرت اُمِ کلثومؓ کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

نکاح:

حضرت اُمِ کلثومؓ اب تک کنواری تھیں اس لیے حضرت زید بن حارثہؓ سے جو کہ بڑے رتبہ کے صحابیؓ تھے، ان کا نکاح کیا گیا، لیکن جب زید بن حارثہؓ نے غزوۂ موتہ میں شہادت پائی تو حضرت زبیرؓ بن العوام کے عقدِ نکاح میں آئیں، لیکن انہوں نے طلاق دے دی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے نکاح ہوا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص سے نکاح پڑھایا اور یہ آخری نکاح تھا۔

وفات:

ایک مہینہ کے بعد وفات پائی، اس زمانہ میں حضرت عمروؓ والیٔ مصر تھے۔

اولاد:

حضرت اُمِ کلثومؓ کے حضرت زیدؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص سے کوئی اولاد پیدا ہوئی نہیں، لیکن حضرت زبیرؓ سے زینب اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے ابراہیم، حمید، محمد اور اسماعیل پیدا ہوئے۔

فضل وکمال:

حمید اور ابراہیم نے ان سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت ابی سلمہ

نام ونسب:

زینب قبیلہ مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن عمرو بن مخزوم۔ حبشہ میں حضرت اُمِ سلمہؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں اور ان ہی کے ساتھ کچھ زمانہ کے بعد مدینہ کو ہجرت کی۔ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا۔[1] پہلے برہ نام تھا، آنحضرت ﷺ نے زینب نام رکھا۔[2]

عام حالات:

4ھ میں ابو سلمہؓ نے وفات پائی تو حضرت اُمِ سلمہؓ آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں، اس وقت زینبؓ شیر خوار تھیں۔ والدہ ماجدہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے آغوشِ تربیت میں آئیں۔ آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت تھی۔ پیروں پر چلنے لگیں تو آنحضرت ﷺ کے پاس آتیں، آپ غسل فرماتے تو ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس کی یہ برکت تھی کہ بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب ورنگ باقی رہا۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ بن اسود اسدی سے شادی ہوئی، دو لڑکے پیدا ہوئے، جن میں ایک کا نام ابو عبید تھا، 63ھ میں حرہ کی لڑائی میں دونوں کام آئے اور حضرت زینبؓ کے سامنے ان کی لاشیں لاکر رکھی گئیں، انہوں نے انا للہ پڑھا اور کہا کہ "مجھ پر بہت بڑی مصیبت پڑی، ایک تو میدان میں لڑکر قتل ہوا، لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا، لوگوں نے اس کو گھر میں گھس کر مارا۔"

[1] اصابہ، ج:8،ص:96 بحوالہ ابن سعد، [2] صحیح مسلم، ج:2،ص:231 باب استحباب تغییر الاسم القبیح الی حسن

وفات:

بیٹوں کے قتل ہونے کے بعد دس برس زندہ رہیں اور 73ھ میں انتقال فرمایا۔ یہ عبدالملک کی حکومت کا زمانہ تھا۔[1] حضرت ابن عمرؓ جنازہ میں تشریف لائے۔

فضل وکمال:

حضرت زینبؓ فضل وکمال میں شہرہ آفاق تھیں اور اس وصف میں کوئی عورت ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی تھی، اسد الغابہ میں ہے۔

كَانَتْ اَفْقَهُ مِنْ نِسَاءِ زَمَانِهَا[2] ۔۔۔

"وہ اپنے عصر کی فقیہ خاتون تھیں۔"

آنحضرت ﷺ سے کچھ حدیثیں روایت کیں، آپ ﷺ کے علاوہ حضرت اُمِ سلمہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت اُمِ حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ سے بھی چند حدیثیں سنیں، جن لوگوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں۔

امام زین العابدین، ابو عبیدہؓ، محمد بن عطاء، عراک بن مالک، حمید ابن نافع، عروہ، ابو سلمہ، کلیب بن وائل، ابو قلابہ جرمی۔

[1] تہذیب، جلد:2،ص:421 [2] اسد الغابہ، جلد:5،ص:469

دعائے مغفرت

1۔ لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی تسنیم انجم کی والدہ محترمہ
2۔ سیالکوٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی مفتی سلطان محمود کے والد محترم
3۔ گوجرہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد سلیمان
4۔ خانیوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی غلام نبی ڈوگر کی اہلیہ محترمہ
5۔ گجرات سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اسلم
6۔ لودھراں کروڑ پکا سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی اللہ دوایہ
7۔ ننکانہ صاحب، سانگلہ ہل سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی غلام سرور

وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بچوں کا صفحہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ

قسط نمبر 2

ع خان، لاہور

یہودیوں نے مدینہ منورہ سے باہر کئی قلعے بنا رکھے تھے جن میں بیٹھ کر وہ مسلمانوں کے خلاف مختلف منصوبہ بندیاں اور پلاننگ کرتے رہتے تھے۔ ان یہودیوں میں مرحب نام کا ایک بہت طاقتور پہلوان تھا جس نے خیبر کے مقام پر ایک قلعہ بنا رکھا تھا۔ اس قلعے کا دروازہ اس قدر مضبوط تھا کہ کئی پہلوان مل کر بھی اسے نہیں کھول سکتے تھے۔

غزوۂ خندق میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کفار ناکام واپس لوٹ گئے تو نبیٔ اکرم ﷺ نے یہودیوں کا زور توڑنے کے لیے فوج روانہ فرمائی جس نے خیبر کے علاوہ یہودیوں کے تمام قلعے فتح کر لیے۔ خیبر کا قلعہ اپنے مضبوط دروازے کی وجہ سے کئی دفعہ کے حملوں بعد بھی فتح نہ ہو سکا۔ یہ دیکھ کر نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کل فوج کی سرداری کا جھنڈا جس شخص کو دیا جائے گا وہ اس قلعے کو فتح کر کے آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر ہر صحابیؓ یہ خواہش کرنے لگے کہ اس فوج کی سرداری انہیں ہی ملے۔ اگلے دن رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا حضرت علیؓ کے سپرد فرمایا، اُن دنوں حضرت علیؓ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آپؓ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ میں اس حال میں کس طرح لڑ سکوں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے منہ مبارک کا لعاب حضرت علیؓ کی آنکھوں میں لگا دیا جس سے آپؓ کی آنکھیں فوراً ٹھیک ہو گئیں۔

حضرت علیؓ اپنی فوج کے ساتھ مرحب پہلوان کے قلعے کے باہر پہنچے تو وہ اپنی فوج کے ساتھ باہر نکل آیا اور اپنی طاقت کے غرور میں بولا کہ سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، وہ مرحب جو مانا ہوا بہادر ہے۔ لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو تھوڑی ہی دیر میں مرحب کو اندازہ ہو گیا کہ وہ یہ جنگ ہار جائے گا، اس لئے تھوڑی دیر بعد مرحب اپنی فوج سمیت، اپنے قلعے میں واپس بھاگ گیا اور قلعے کا دروازہ بند کر کے اطمینان سے بیٹھ گیا کہ اب وہ محفوظ ہے کیونکہ اس بھاری دروازے کو اب کوئی نہیں کھول سکے گا۔ لیکن مرحب کو نہیں معلوم تھا کہ اب اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں ہے جو اسد اللہ (اللہ کا شیر) کہلاتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے قلعہ کا دروازہ جو کئی پہلوان مل کر نہیں کھول سکتے تھے، اکیلے ہی اکھاڑ کر پھینک دیا۔ مسلمان فوج قلعے کے اندر داخل ہو گئی، مرحب مارا گیا اور یوں یہ قلعہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

حضرت علیؓ بے حد بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے ہی زبردست عالم بھی تھے۔ بڑے بڑے مسائل کو آسانی سے حل کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ دو آدمی آپؓ کی خدمت میں آئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ اُن کا جھگڑا بڑا عجیب تھا۔ وہ دونوں ایک جگہ بیٹھے کھانا کھانے لگے تو ایک مسافر آ گیا۔ اُن دونوں نے اس مسافر کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ کھانا کھانے کے بعد اس مسافر نے انہیں آٹھ درہم دیئے اور کہا کہ آپس میں بانٹ لینا۔ مسافر تو یہ کہہ کر چلا گیا لیکن ان دونوں میں آٹھ درہم کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا۔ پانچ روٹیوں والا خود پانچ درہم رکھنا چاہتا تھا اور دوسرے شخص کو تین درہم دینا چاہتا تھا، جبکہ دوسرا شخص کہتا تھا کہ مسافر نے ہم دونوں کا کھانا کھایا ہے اس لیے دونوں کو چار چار درہم ملنے چاہیں۔

حضرت علیؓ نے جب سارا قصہ سنا تو آپؓ نے تین روٹیوں والے شخص سے کہا کہ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ تم تین ہی درہم قبول کر لو۔ حساب کیا جائے تو تمہارے حصے میں صرف ایک درہم آتا ہے۔ یہ بات سن کر وہ شخص بہت حیران ہوا اور بولا کہ ایک درہم؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے، مجھے سمجھا دیجئے۔ حضرت علیؓ نے اُسے ساری بات سمجھائی جو کچھ یوں تھی، حضرت علیؓ نے فرمایا (بقیہ صفحہ نمبر 36 سے آگے)

توبہ کا بیان

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کیمیائے سعادت" سے انتخاب

ترجمہ: مولانا فخر الدین احمد صدیقی

توبہ کرنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنا۔ پہلا قدم اور سالک کی راہ کا سرا ہے۔ کسی آدمی کو اس سے مُضر نہیں اس لیے کہ پیدائش سے موت تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں کا کام ہے اور تمام عمر گناہوں میں غرق رہنا شیطان کا۔ جس نے نادم ہو کر توبہ کر لی اور معصیت کی راہ چھوڑ کر شاہراہ عبادت میں قدم دھر لیا اور آدمؑ سے اپنی نسبت درست کر لی۔ اور جس نے مرتے دم تک گناہوں پر اصرار کیا اُس نے شیطان سے اپنی نسبت مضبوط کر لی۔ تمام عمر مصروف عبادت رہنا آدمی کے بس میں نہیں اس لیے جب اللہ نے اسے پیدا کیا تو ناقص و بے عقل پیدا کیا اور نفسانی خواہشات جو شیطان کا آلہ ہیں پہلے انہی کو انسان پر مسلط کیا اور عقل جو خواہش کی دشمن اور ملائکہ کے جوہر کا نور ہے اسے بعد میں پیدا کیا کہ جب تک یہ پیدا ہو تب تک آدمی پر خواہش غالب آجائے اور انسانی قلعہ یعنی سینہ پر بخوبی قبضہ جمالے اور نفس بھی اس کے ساتھ خوگر ہو جائے۔ پھر جب عقل پیدا ہوئی تو توبہ اور جہاد کی حاجت محسوس ہوئی تاکہ اس قلعہ کو فتح کیا جاسکے اور اسے شیطان و شہوت کے قبضہ سے چھڑا لے۔ اس لیے توبہ آدمیوں کے لیے ضروری اور لازم ہے اور سالکوں کا پہلا قدم ہے۔ جب نورِ عقل اور نور شرع سے آدمی کی آنکھیں کھلیں اور غلط سلط میں تمیز کرنے لگے تو توبہ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پہلے توبہ کرنا ضروری ہے جس کا معنی یہ ہے کہ آدمی ضلالت کا راستہ چھوڑ کر ہدایت کے راستہ پر آجائے۔

توبہ کی فضیلت اور اس کا اجر و ثواب:

اللہ تعالیٰ نے سبھی لوگوں کو توبہ کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری ہے: "اے مسلمانو! اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ فلاح و کامیابی حاصل کرو"۔ (سورۃ نور)

حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص مغرب کی طرف سے آفتاب نکلنے سے پہلے توبہ کر گیا تو اس کی توبہ ضرور قبول ہوگی اور فرمایا کہ پشیمانی و ندامت ہی توبہ ہے۔ اور فرمایا کہ راستے میں لاف زنی کی جگہ کھڑے نہ ہو کیونکہ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں کھڑے ہوتے ہیں اور جو گزرتا ہے اس پر ہنستے ہیں اور جو عورت وہاں پہنچتی ہے اس کے ساتھ بری بری باتیں کرتے ہیں۔ وہ شخص وہاں سے نہیں ہٹتا تاوقتیکہ اس پر دوزخ واجب نہ ہو جائے مگر یہ کہ توبہ کر لے۔ اور فرمایا کہ میں ہر روز ستر بار توبہ اور استغفار کرتا ہوں، اور فرمایا کہ جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ان فرشتوں کو بھلا دیتے ہیں جنہوں نے وہ گناہ لکھنے ہوتے ہیں اور اس کے ہاتھ پاؤں کو بھلا دیتے ہیں جن سے وہ گناہ کیے تھے اور اس جگہ کو بھی بھلا دیتے ہیں جہاں وہ گناہ سرزد ہوئے تھے تاکہ جب وہ شخص احکم الحاکمین کے سامنے حاضر ہو تو اس کے گناہ کا کوئی گواہ نہ نکلے۔ اور فرمایا کہ اس سے پہلے کہ اس کے حلقوم میں جان آجائے تو جو بندہ توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنا دستِ کرم اس شخص کے لیے پھیلائے ہوئے ہیں جس نے دن کو گناہ کیا ہو، تاکہ وہ رات کو توبہ کرے اور میں قبول کرلوں اور اس شخص کے واسطے جس نے رات کو گناہ کیا ہو تاکہ وہ دن کو توبہ کرے اور میں قبول کروں۔ یہ دست شفقت اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں دن بھر میں سو بار توبہ کرتا ہوں اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ سے توبہ کرتا ہے وہ ایسا ہے جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور

فرمایا کہ گناہ سے توبہ کا معنی یہ ہے کہ پھر اس گناہ کے قریب بھی نہ جائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب سرور کائناتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو گناہ پر نادم جانتا ہے اسے بخشش مانگنے سے پہلے بخش دیتا ہے۔

توبہ کی حقیقت

ایمان و معرفت کا جو نور پیدا ہوتا ہے وہ توبہ کی اصل ہے۔ اس نور کے سبب آدمی دیکھتا ہے کہ گناہ زہر قاتل ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ اس زہر سے میں نے بہت کھالیا اور اب ہلاکت کے قریب ہوں تو خواہ مخواہ پریشانی اور ہراس پیدا ہوتا ہے جیسے وہ آدمی جس نے زہر کھا لیا اور پشیمان ہوتا ہے اور ڈرتا ہے اور اس پشیمانی کے سبب انگلی حلق میں ڈال کرتے کرتا ہے اور اس کی وجہ سے دوائی کی فکر و تدبیر کرتا ہے تا کہ زہر کا اثر جاتا رہے۔ اسی طرح مجرم جب دیکھتا ہے کہ میری شہوت پرستی، زہریلے میوے اور زہریلے شہد کی مانند تھی کہ اس وقت تو میٹھا اس معلوم ہوتی تھی اور اب سانپ کی طرح ڈستی ہے تو وہ گزشتہ دور کی غلطیوں پر پشیمان ہوتا ہے۔ اس کی جان میں خوف کی آگ لگ جاتی ہے۔ اپنے آپ کو ہلاک اور تباہ حال سمجھتا ہے۔ خواہش و گناہ کی جو حرص ہے وہ خوف و پشیمانی کی آگ میں جل جاتی ہے اور خواہش حسرت سے بدل جاتی ہے اور ارادہ کرتا ہے کہ گزرے دور کی تلافی کروں اور آئندہ اس کے قریب نہ جاؤں۔ پھر وہ جفا کا لباس اتار کر وفا کی بساط بچھاتا ہے اور اپنی حرکات و سکنات کو بدل دیتا ہے جس طرح اس سے قبل سراپا فخر و غرور اور غفلت و خوشی میں تھا، اب ہمہ تن گریہ و حسرت ہو جاتا ہے۔ پہلے اہل غفلت اس کے یار باش تھے، اب اہل معرفت کی مجالس ڈھونڈتا ہے۔ تو توبہ فی نفسہٖ پشیمانی ہے جس کی اصل معرفت نور ہے اور اس کی فرع حالات کو بدلنا اور معصیت و مخالفت سے طاعت و موافقت کی طرف اپنے آپ کو منتقل کرنا ہے۔

ہر شخص پر ہر وقت توبہ واجب ہے:

اے عزیز! تم نے یہ تو جان لیا کہ پہلے کفر سے توبہ واجب ہوتی ہے اگر کفر نہ ہو تو تقلیدی ایمان سے توبہ واجب ہے، اور جب اس سے بھی توبہ کر لی تو خطرہ ہے کہ گناہ سے خالی نہیں رہے گا تو گناہ سے توبہ واجب ہوگی۔ اگر اپنے ظاہر کو صاف کر لیا تو باطن میں گناہ کا تخم موجود ہو گا جیسے کھانے، گفتگو کرنے کی حرص، مال و جاہ کی محبت اور کبر و ریا وغیرہ کہ یہی چیزیں گناہوں کی جڑ ہیں۔ ان سب سے توبہ لازم ہے تا کہ ان میں سے ہر ایک حد اعتدال پر رہے اور ان خواہشات کو عقل اور شریعت کا مطیع کر لے۔ یہ بات بڑے مجاہدے اور ریاضت سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ان سے بھی نجات مل گئی تو وسوسے اور نفسانی باتوں، نیز باطل خیالات کا خطرہ ہے، ان سے بھی توبہ واجب ہے۔ ان سے نجات ہو جائے تو اللہ کی یاد میں بسا اوقات غفلت ہو جاتی ہے۔ اس سے توبہ لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھول جانا اگرچہ لحہ بھر کے لیے ہو سب قصوروں اور گناہوں کی جڑ ہے۔ اس سے توبہ نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور خرچ کرلو اس سرمایہ سے جو ہم نے تمہیں دیا۔ اس سے قبل کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے پھر وہ کہے کہ اے میرے رب مجھے تھوڑی دیر کی مہلت دے دے'' (المنافقون)

اہل علم نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مرتے وقت بندہ ''ملک الموت'' کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوچ کا وقت آگیا تو اس کے دل میں حسرت پیدا ہوتی ہے، اتنی جس کی کوئی حد نہیں اور کہتا ہے اے فرشتہ اجل مجھے ایک دن کی مہلت دے دے کہ میں توبہ کرلوں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے بہت مہلت دی گئی اب تیری زندگی کا کوئی دن باقی نہیں۔ وقت مقررہ آپہنچا۔ وہ ایک ساعت کی مہلت مانگتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بڑی ساعتیں گزریں اب کوئی ساعت نہیں۔ نا امید ہوتا ہے تو اس کے ایمان میں اضطراب کی لہر اٹھتی ہے اگر معاذ اللہ! ازل سے شقاوت کا حکم ہو چکا ہے تو وہ اس دنیا سے اسی حالت پر چلا جاتا ہے اور بد بخت قرار پاتا ہے لیکن اگر ازل سے سعادت کا حکم ہو چکا ہے تو اصل ایمان سلامت رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان سے قبول توبہ کا وعدہ نہیں ہے یہاں تک کہ جب موت آپہنچتی ہے ان میں سے کسی کے پاس تو کہتے ہیں کہ اب توبہ کرتا ہوں'' (النساء)

قبول توبہ کا بیان:

توبہ جب اپنی شرائط کے ساتھ ہوتی ہے تو بالفظ ضرور قبول ہوتی ہے۔ جب توبہ کرو تو اس کے قبول ہونے میں شک نہ کرو۔ البتہ اس میں ضرور شک کرو کہ شرائط پوری ہیں یا نہیں؟ جس شخص نے آدمی کے دل کی حقیقت پہچان لی کہ وہ کیا ہے اور اس کا بدن سے کیا تعلق ہے اور بارگاہ قدس میں کیا مناسبت ہے اور اللہ کی بارگاہ سے حجاب کا سبب کیا ہے تو اسے کوئی شک نہیں رہتا کہ گناہ ہی حجاب کا سبب ہے اور توبہ حجاب کے اٹھ جانے کا سبب ہے۔ توبہ قبول ہونے کی علامت یہی ہے کیونکہ دل اصل میں ملائکہ کی جنس سے ایک پاک موتی ہے اور آئینہ کی مانند ہے مگر اس دنیا سے زنگ کے بغیر صاف شفاف چلا جائے تو حضرت الٰہیت اس میں نظر آتی ہے۔ آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے سبب آئینہ دل پر ظلمت چھا جاتی ہے۔ اور ہر عبادت و نیکی کے سبب ایک نور دل میں پیدا ہوتا ہے اور گناہ کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ عبادت کے انوار اور معصیت کی تاریکیاں دل کے آئینہ پر پے در پے آتی ہیں۔ ظلمت جب بڑھ جاتی ہے اور آدمی توبہ کرتا ہے تو نیکی کے انوار اس ظلمت کو دور کر دیتے ہیں اور دل اپنی پاکی و صفائی کی طرف پلٹ آتا ہے۔ ہاں آدمی نے گناہوں پر اتنا اصرار کیا ہو کہ زنگ جوہر دل میں پہنچ گیا ہو اور ایسی شکل ہو گئی ہو کہ علاج اثر ہی نہ کرے جیسے وہ آئینہ جس کے اندر زنگ سرایت کر جائے، ایسا دل توبہ نہیں کر سکتا۔ آدمی زبان سے کہتا ضرور ہے لیکن فائدہ نہیں ہوتا۔ جس طرح میلا کپڑا صابن سے صاف ہو جاتا ہے اسی طرح دل بھی عبادت کے انوار کے سبب معاصی کی ظلمت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسی لیے جناب رسول مقبولؐ نے فرمایا کہ ہر بدی کے بعد نیکی کر، تاکہ نیکی اس بدی کو محو کر دے اور فرمایا کہ اگر تم اتنے گناہ کرو کہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر توبہ کرو تو بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ اور فرمایا کہ کوئی بندہ ایسا ہو گا کہ گناہ کے سبب جنت میں جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ کیونکر ہو گا؟ فرمایا کہ وہ گناہ کر کے پشیمان ہو اور جنت جانے تک وہ پشیمانی اس کے پیش نظر رہے۔ اسلاف کا کہنا ہے کہ ابلیس توبہ کرنے والے کے حق میں کہتا ہے کہ کاش میں اسے اس گناہ میں مبتلا نہ کرتا۔

جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا ہے کہ نیکیاں گناہوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں جیسے پانی کپڑے کے میل کو، اور فرمایا کہ جب ابلیس ملعون ہوا تو عرض کرنے لگا کہ اے اللہ! قسم ہے تیری عزت کی، جب تک آدمی کی جان اس کے بدن سے نہ نکل جائے گی تب تک میں بھی اس کے دل سے نہ نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی قسم ہے اپنی عزت کی جب تک اس کے بدن سے اس کی جان نہ نکل جائے گی میں بھی اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہ کروں گا۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہ:

توبہ کا تعلق گناہ سے ہے اور گناہ جتنا چھوٹا ہو توبہ اسی قدر آسان ہے بشرطیکہ آدمی اس پر ہٹ دھرمی اور اصرار نہ کرے۔ حدیث میں ہے کہ فرض نماز بھی کبیرہ گناہوں کے سوا سب گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور گناہ کبیرہ کے سوا جو گناہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ہوتے ہیں ان سب کا کفارہ جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے۔

''اگر تم کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری غلط فہمیوں کا ہم کفارہ کر دیں گے'' (النساء)

اس لیے کبیرہ گناہوں کا جاننا ضروری ہو جاتا ہے اور اس میں صحابہؓ کا اختلاف ہے۔ بعض نے سات کا کہا ہے، بعض نے زیادہ اور بعض نے کم۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے سنا کہ وہ سات فرماتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ سات سے زیادہ ستر کے قریب ہیں۔ ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احادیث اور صحابہؓ کے اقوال سے اپنی کتاب قوت القلوب میں ستر کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔ چار کا تعلق دل سے ہے، ایک کفر، دوسرے گناہ پر اصرار اگرچہ وہ صغیرہ ہو۔ مثلاً کوئی برا کام کرتا ہے اور اس سے توبہ کا ارادہ اور داعیہ دل میں پیدا نہیں ہوتا، تیسرے اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا۔ یعنی قنوط، چوتھے اللہ تعالیٰ کے غصہ سے نڈر ہو جانا۔ چار گناہ زبان سے متعلق ہیں: جھوٹی گواہی کیونکہ اس سے کسی کا حق مارا جاتا ہے۔ دوسرے کسی پر زنا کی تہمت لگانا جس سے حد واجب ہوتی ہے۔ تیسرے جھوٹی قسم کہ اس سے کسی کا مال یا حق ضائع ہوتا ہے۔ چوتھے جادو کیونکہ یہ ایسے کلمات ہیں جو زبان سے کہے جاتے ہیں۔ اور تین گناہ پیٹ سے متعلق ہیں۔ (جاری ہے)

مساعی جمیلہ

ناظم اعلیٰ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کا دورہ سندھ

حکیم مولانا محمد الیاس، کراچی

کاش کسی بھی اہل ہوس پر راز کبھی یہ فاش نہ ہو
ہم نے کسی کا درد اپنا کر کیسی راحت پائی ہے

وہ درد جو ہمیں شیخ المکرم دامت برکاتہم عالیہ کی توجہ سے ملا، پچھلے دنوں اسی درد کو جگانے اور شمعِ کیفیت کی لَو بڑھانے ناظم اعلیٰ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ جناب ملک عبدالقدیر اعوان سندھ کے دورہ پر کراچی تشریف لائے۔ ناظم اعلیٰ کا یہ دورہ 11 فروری تا 22 فروری، کل 12 دن تک محیط رہا، جس میں کراچی، حیدر آباد، سکھر، امروٹ شریف، گھوٹکی، روہڑی کا تفصیلی دورہ فرمایا۔

11 فروری کو کراچی ایئرپورٹ پر مجازین جناب راز نیاز اور چوہدری شبیر صاحب نے ساتھیوں کے ساتھ ناظم اعلیٰ کا استقبال کیا۔ صاحبزادہ صاحب کی رہائش کا اہتمام صاحبِ مجاز کرنل محبوب صاحب مرحوم کے گھر و سلسلہ عالیہ کے مرکز، ڈیفنس میں کیا گیا تھا۔

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر اور صنعتی، تجارتی، تعلیمی، مواصلاتی و اقتصادی مرکز ہے۔ پاکستان کی سب سے بڑی بندرگاہ اور ہوائی اڈہ بھی کراچی میں ہی قائم ہے۔

12 فروری کو حیدر آباد کا دورہ فرمایا جہاں سے رات گئے تک واپسی ہوئی، یوں 13 فروری تا 18 فروری تک ناظم اعلیٰ کراچی میں جلوہ افروز رہے۔ کراچی کے مختلف مراکز ذکر و حلقہ جات میں محافل ذکر کا اہتمام ہوا جس کی مختصر روداد مندرجہ ذیل ہے:

13 فروری صبح کے معمولات کے بعد مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں اور ساتھیوں سے ملاقات ہوئی جو کہ دوپہر 1:00 تک جاری رہیں، بعدازفراغت صوبائی مشیر کے گھر پر ذکر کی اہمیت کے متعلق بات چیت ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب نے موجود لوگوں کو ذکر بھی کرایا۔ واپسی پر اوصاف اخبار کے نئے دفتر کا دورہ کیا۔ ایڈیٹر جناب مہتاب خان صاحب اور صحافیوں سے ملاقات ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب نے قوم کی اصلاح کے حوالے سے میڈیا کی ذمہ داری پر زور دیا۔ اُنہوں نے صحافیوں کو اپنی پیشہ وارسرگرمیوں کے دوران سچ کا بول بالا کرنے پر سراہا۔ الحمدللہ! حضرت جی مدظلہ العالی کے اصلاحی بیانات اوصاف اخبار کے دینی ایڈیشن اور میگزین میں باقاعدگی سے آتے ہیں اور لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

14 فروری کو نمائندگان کراچی پریس کلب سے صاحبزادہ صاحب کی ملاقات ہوئی جس میں مختلف موضوعات پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور صاحبزادہ صاحب نے اُن کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد "متحدہ علماء محاذ" کی دعوت پر ان کے پروگرام میں شرکت کی اور بیان فرمایا۔ اسی دن شام میں ماڈل کالونی مرکز میں خواتین کا پروگرام منعقد ہوا جہاں خواتین کا باپردہ انتظام کیا گیا تھا۔ الحمدللہ! مستورات کی بڑی تعداد نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ صاحبزادہ صاحب نے خطاب فرمایا اور آخر میں ذکر کرایا۔ بیان میں فرمایا کہ زندگی کے دیگر اُمور میں ذکر اللہ کو اوّلیت دی جائے۔ عصر تا مغرب یہ پروگرام جاری رہا۔ بعد نماز مغرب مرد حضرات کے پروگرام کی شروعات ہوئیں جس میں تلاوت قرآن پاک اور نعت رسول ﷺ کے بعد جناب مفتی سلطان محمود صاحب نے سلسلہ عالیہ کا تعارف بیان فرمایا۔ اس کے بعد صاحبزادہ صاحب کا خطاب ہوا جس میں ذکر و اذکار کی اہمیت کو اجاگر فرمایا۔ الحمدللہ! بیان قریباً ایک گھنٹہ تک محیط رہا۔ سامعین پر ایسی کیفیت طاری تھی جیسے وہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں:

چھیڑتے جاؤ اس دل نشیں کے ساز کو
اے مسافر دل سمجھتا ہے تری آواز کو

بیان میں جہاں ذکر کی اہمیت وضرورت پر بات ہوئی وہاں ذمہ داران کو بھی ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا۔سلسلہ عالیہ کی ذمہ داری پر روشنی فرمائی۔ انہیں یہ احساس دلایا کہ یہ کوئی عام ذمہ داری نہیں، یہ کیفیات قلبی کو بانٹنے کی ذمہ داری ہے، یہ برکات نبوت کو آگے پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔ یہ لوگوں میں ذکر کی جستجو بیدار کرنے کی ذمہ داری ہے۔اپنی ذمہ داری کو ذمہ داری سمجھیں اور اللہ پاک کا احسان سمجھیں کہ اس نے سلسلہ عالیہ کا کام آپ کے سپرد کیا ہے،آپ کو سلسلہ عالیہ کے لئے چنا ہے۔لہٰذا خدا کا شکرادا کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ بیان کے بعد صاحبزادہ صاحب نے ذکر کرایا اور نماز عشاء ادا کی گئی۔

15 فروری بعد از فراغت معمولات صبح خواتین اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ انفرادی طور پر مستفید ہوئے۔ یہ سلسلہ دوپہر تک جاری رہا اس کے بعد سندھ سیکریٹریٹ میں مشیر وزیر اعلیٰ کی دعوت پر ان کے آفس کا دورہ فرمایا۔دوپہر 2:00 تنظیم الاخوان کی جانب سے منعقدکردہ سیمینار بعنوان "سیرت مصطفیٰ اور ہماری ذمہ داری" میں شرکت کی جس میں مختلف دینی وسیاسی جماعتوں کے اعلیٰ عہدہ داروں نے اظہار خیال فرمایا۔سیمینار سے فراغت کے بعد صاحبزادہ صاحب کی سابق صدر پاکستان پرویز مشرف کی دعوت پر بامقام رہائش گاہ ملاقات ہوئی جس میں مختلف قومی وبین الاقوامی موضوعات پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ واپسی پر جرأت اخبار کے دفتر میں ان کے ایڈیٹر اور صحافیوں کو ذکر کی دعوت دی۔

16 فروری بوقت صبح مختلف ساتھیوں سے انفرادی ملاقات کی اور عصر تا مغرب علماء کرام سے خصوصی نشست ہوئی جس میں تصوف کے موضوع پر بات ہوئی، مغرب کا ذکر حسب معمول ڈیفنس مرکز میں ہوا۔

17 فروری صبح 10:00 کورنگی میں واقع مدرسہ بنات میں بیان ہوا اور طالبات کو ذکر کرایا، اس کے بعد اوصاف اخبار کے سنڈے میگزین کے لیے صاحبزادہ صاحب کا انٹرویو ہوا۔

بعد از فراغت دار العلوم کورنگی میں جناب مفتی رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے ناظم اعلیٰ دامت برکاتہم کی ملاقات ہوئی جس میں مفتی صاحب کی طرف سے حضرت جی مدظلہ العالی کی دینی خدمات کو سراہا گیا۔صاحبزادہ صاحب نے مفتی صاحب کو دار العرفان منارہ آنے کی دعوت دی اور مفتی صاحب سے دعاؤں کی درخواست کی۔ یہ ملاقات تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی۔ اس کے بعد گلشن اقبال روانگی ہوئی جہاں ذکر کے حوالے سے بیان ہوا اور ذکر کرایا۔ بعد نماز عصر نیول کالونی مرکز حب ریور روڈ پر خواتین کا پروگرام ہوا جو کہ مغرب تک جاری رہا۔ بعد نماز مغرب مرد حضرات کا پروگرام ہوا جس میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور صاحبزادہ صاحب سے استفادہ کیا۔رات واپسی پر جناب صدیق اعوان صاحب کی سربراہی میں تنظیم الاعوان کا کثیر تعداد وفد ڈیفنس مرکز میں تشریف لایا اور قومی امور پر تقریباً گھنٹہ بھر سیر حاصل گفتگو رہی۔

18 فروری صبح کے معمولات کے بعد لوگوں سے انفرادی ملاقاتیں کیں۔ پھر فلک ٹاور کلفٹن کی مقامی مسجد میں خواتین وحضرات کا پروگرام ہوا جس میں نئے لوگوں نے ذکر سیکھا۔شام کا ذکر ڈیفنس مرکز میں ہی ہوا۔ کراچی میں ہونے والے ذکر کے اس آخری پروگرام میں صاحبزادہ صاحب نے جناب مفتی سلطان محمود صاحب کو کراچی کا قائم مقام صاحب مجاز مقرر فرمایا۔

19 فروری کو ساتھیوں اور مجازین وذمہ داران حضرات نے سکھر روانگی کے لیے الوداع کہا۔سکھر ایئر پورٹ پر مقامی ساتھیوں نے والہانہ استقبال کیا اور سیدھا امروٹ شریف تشریف لے گئے جہاں ساتھیوں کی کثیر تعداد نے ذکر کے حوالے سے منعقد کردہ مجلس میں شمولیت اختیار کی۔قبل از نماز جمعہ تنظیم الاخوان سندھ کے ذمہ داران نے ملاقات کی۔ صاحبزادہ صاحب نے مقامی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی اور نمازیوں سے خطاب بھی کیا۔نماز جمعہ کے بعد نیو امروٹ شریف تشریف لے گئے جہاں بیان وذکر کی محفل منعقد کی گئی۔ یوں شام گئے سکھر شہر واپسی ہوئی۔

20 فروری علی الصبح ہمارا قافلہ پیر جو گوٹھ کے پریالو نامی گاؤں کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں سے

ملاقاتیں ہوئیں اور ذکر و اذکار کے حوالے سے اُن کے سوالوں کے جواب دیئے گئے۔ مقامی علماء کرام نے بھی ذکر و اذکار کے حوالے سے اپنے سوالات پوچھے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ احسن العلوم حمادیہ کے شیخ الحدیث صاحب کی دعوت پر مدرسہ کے طلباء سے نشست ہوئی۔ اس کے بعد گوٹھ وہاں میں ذکر کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ یہاں سے قافلہ گھوٹکی کی طرف روانہ ہوا جہاں پر جلسہ کا انعقاد کیا گیا، جس میں مقامی لوگوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ صاحبزادہ صاحب نے اپنے بیان میں ذکر و اذکار کی اہمیت اجاگر کی اور دعوتِ ذکر دی۔ پھر رات گئے سکھر شہر کو واپسی ہوئی۔

21 فروری مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں جو کہ دوپہر تک جاری رہیں۔ نمازِ ظہر کے بعد سکھر شہر میں منعقد جلسہ بعثت عالم ﷺ میں صاحبزادہ صاحب نے خطاب کیا، پروگرام کے بعد ساتھیوں کی کثیر تعداد نے مصافحہ کیا اور دعاؤں کی درخواست کی۔ اس کے بعد روہڑی شہر کی قدیم مسجد "مسجد اکبری" گئے۔ جہاں موئے مبارک ﷺ کی زیارت کا بھی موقع ملا۔ نمازِ مغرب کے بعد روہڑی شہر میں ذکر کے حوالے سے منعقد کردہ پروگرام میں شرکت کی اور رات میں تنظیم الاخوان کی طرف سے پریس کانفرنس منعقد کی گئی جس میں صاحبزادہ صاحب نے اسلامی معاشی نظام کو اپنانے پر زور دیا۔

22 فروری، صبح کے معمولات کے بعد، مقامی سیاسی لیڈر انور علی مہر صاحب سے اُن کی رہائش گاہ پر ملاقات ہوئی۔ مفتی عبدالوہاب چاچڑ صاحب سے بھی تفصیلی گفتگو ہوئی۔ سندھی زبان کے مختلف ادیبوں اور دانشوروں نے بھی پروگرام میں شرکت کی۔ ملاقات کے بعد قافلہ اسلام آباد کے لیے ایئر پورٹ روانہ ہوا۔ جہاں ساتھیوں نے صاحبزادہ صاحب کو بوجھل دِل سے الوداع کہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ صاحبزادہ صاحب زبانِ حال سے فرمارہے ہوں۔

ایسا نہ ہو کہ چھین لے دنیائے رنگ و بو
کیفِ متاعِ درد کو رکھنا سنبھال کے

حضرت جی دامت برکاتہم العالیہ کی نذر

ہوئی جلوہ افروز شمع سلوک برسر منبر رسول
خدا سلامت رکھے تا قیامت رکھے، ہو یہ دعا مری قبول

❁❁❁

اطلاع

ساتھیوں سے التماس ہے کہ وہ جس بھی مد (Head) میں رقم/Cheque جمع کرائیں درج ذیل اکاؤنٹ نمبروں کو استعمال کریں کیونکہ پُرانے نمبر منسوخ ہو چکے ہیں۔

MUHAMMAD AKRAM AWAN	PERSONAL ACCNT	1507
		PK13MUCB0099426881001554
MUHAMMAD AKRAM AWAN	PATRON IN CHIEF LIBRARY FUND	1507
		PK94MUCB0099426881001551
MUHAMMAD AKRAM AWAN	CHIEF PATRON SIQARAH GIRLS	1507
		PK67MUCB0099426881001552
MUHAMMAD AKRAM AWAN	ALFALAH	1507
		PK40MUCB0099426881001553
MUHAMMAD AKRAM AWAN	RESIDENT ZAKAT USHAR	1507
		PK83MUCB0099426881001555
MUHAMMAD AKRAM AWAN	DARULIRFAN MASJID FUND	1507
		PK15MUCB0099426881000451

THE ABOVE ACCOUNTS ARE MCB MUNARA BRANCH CODE 1507

MUHAMMAD AKRAM AWAN	PERSONEL ACCOUNT	1400
		PK 20 NBPA1400004114007786
ABDUL QADEER AWAN/MUHAMMAD AKRAM AWAN	DARULIRFAN FUND	1400
		PK 69 NBPA1400004114007777

THE ABOVE TWO ACOUNTS ARE NATIONAL BANK NOORPUR BRANCH CODE 1400

ABDULQADEER AWAN/MUHAMMAD AKRAM AWAN	PERSONAL	1519
		PK74UNIL0109000227053953

THE ABOVE ACCOUNT IS UBL MIANI CODE 1519

طب

انار (POMEGRANATE)

حکیم عبدالماجد اعوان سرگودھا

طبی خواص:۔

انار صدیوں سے بطور خوراک اور دوا استعمال کیا جا رہا ہے، اس پودے کے تمام حصے یعنی جڑیں، تنے کا چھلکا، پتے، پھول، پھل کا چھلکا اور بیج دواؤں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ دل کے لیے ایک مقوی غذا ہے۔ اطباء اسے معدہ کی سوزش اور دل کے درد کے لیے فائدہ مند لکھتے ہیں۔ بیماری کے دوران لگنے والی پیاس کے لیے انتہائی مفید ہے۔ یہ جگر، دل اور گردوں کے افعال میں تیزی لاتا ہے۔ یہ جگر کو ضروری معدنیات مہیا کر کے اسے خوراک سے وٹامن A محفوظ کرنے کے قابل کرتا ہے۔ یہ متعدی امراض کے خلاف جسم میں قوت مدافعت پیدا کرتا ہے۔

خاص طور پر ٹائیفائیڈ کے لیے بہت موثر ہے۔

نظام انہضام کی خرابیوں کو دور کرتا ہے، بھوک بڑھاتا ہے، غذا کو ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ بڑی آنت کی سوزش بلغمی (Mucous) پاخانہ کو روکنے میں مفید ہے، انتڑیوں کو طاقت دیتا ہے۔ صفراوی قے کے لیے مفید ہے، متلی کو ختم کرتا ہے۔ صفرا کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہونے والی سینے کی جلن کو ختم کرتا ہے ریحی، قولنج اور صبح کے وقت پیدا ہونے والی نقاہت اور کمزوری سے نجات دلاتا ہے۔

پیٹ کے کیڑوں کے لیے انتہائی موثر ہے۔ بخار کی حدت اور پیاس کی شدت کو دور کرتا ہے۔ انار کے پھل کا چھلکا مقعد کی خارش کو دور کرتا ہے گردوں اور مثانہ کی پتھری کو ختم کرتا ہے۔ انار کے خشک چھلکوں کا سفوف، کالی مرچ اور خوردنی نمک ملا کر منجن تیار کر کے دانتوں پر لگانے سے دانت اور مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔ شیریں انار کے چھلکے کو خشک کر کے توے پر بھون لیں اور اسکا جوشاندہ تیار کر کے استعمال کریں پرانی کھانسی کے لیے مفید ہے۔

جدید تحقیق کے مطابق انار میں جراثیم کش صلاحیت پائی جاتی ہے، اسے ٹی بی کے مریضوں کے لیے بہت مفید سمجھا جاتا ہے۔

انار کے جوس کا استعمال چکنائی کو شریانوں کی دیواروں میں جمع نہیں ہونے دیتا۔ انسانی دل کے خلیوں کو صحت مند رکھتا ہے۔ جوس کا استعمال خون کی نالیوں کے اردگرد پائے جانے والے خلیوں پر (Oxidative Stress) کو کم کرتا ہے اور (Nitric Oxide) پیدا کرتا ہے جو کہ خون کی نالیوں کو آرام (Relax) دینے میں مدد دیتا ہے۔

مرض کوڑھ میں بھی اسکا استعمال فائدہ مند ہے۔

انار کا جوس چھاتی کے کینسر کے لیے بہت مفید ہے۔ منہ اور گلے کی سوزش ختم کرنے کے لیے انار کے پھولوں کے جوشاندہ سے غرارے کیے جاتے ہیں۔ دوران حمل انار کے جوس کا استعمال نہ صرف ماں کے لیے مفید ہے بلکہ اسکا استعمال بچے میں (Brain Injuries) کے خطرے کو کم کرتا ہے۔

انار کے جوس میں دافع رسولی (Anti Tumor) کی خصوصیات موجود ہیں۔ ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کے لیے بھی اسکا استعمال انتہائی مفید ہے۔ شوگر کے مریضوں کے لیے بھی اسکا استعمال انتہائی موثر ہے۔

of the heart are not achieved by just turning up on the day of Dua; for it you have to work, day and night; give up your comforts. It is Allah (SWT)'s favor, upon us, that the method of Zikr Allah given by our Spiritual Teachers, is such that the Blessings are not just distributed but doled out, lavishly. It is up to each person's own capacity that how much of these Blessings he can retain. It has neither been Hazrat Ji (Rehmetullah Ullah Alaih)'s way nor mine to curtail the seeker's journey, to higher spiritual stations. We have always maintained that if you can reach, those spiritual stations then go for them. This is how; Blessings are lavished out, openly. In the history of Spiritualism you'll find that each seeker was made to work, on each Muraqabah, for several years, unlike the way we do it.

Maulana Ahmed Ali Lahori was an associate of our time. He passed away in the 1960's and was an accomplished Sufi. In these 1400 years, only a handful, about 15 or 20, from the subcontinent, have reached the higher Spiritual Stations, especially in the last Heavens. He belonged from this stature. He was the Qutb- e- Irshad of his time. His writings can be still found in the journal, Khadaam- e- Deen. He once wrote, in his journal, that it took him forty years to get to the spiritual station he was at; he had an open invitation, for anyone, to give him four years of their life, leave his household for four years, bring enough to last him four years and leave enough with his family to last them for those years. For four years he'd work on the seeker and have the student confined to the mosque. He'd make him do Zikr- Allah, day and night, and by the end of it he would have made him reach Fana fi Rasool. This is an extraction from the publication in Khadaam- e- Deen. There were no seekers who took advantage of the offer. Here, it is a favor of Allah (SWT) upon us that neither is there restriction of days nor of years. In moments a seeker's heart is enlightened. They arrive and in the morning they are citing having experienced such and such Blessings. All this is due to Allah (SWT)'s Blessings and the kindness of our Spiritual teachers(Mashaikh).

Gather your strength, for the moments spent to harness these Blessings are the precious ones; while all others will be considered as having spent in vain. If every seeker were to take inventory of his life, then he shall know that how much free time did he have and how many of those moments were made precious by him. May Allah (SWT) accept all your efforts; may all the seekers benefit from it and may all of you stay steadfast in it, with honesty and sincerity of heart. May Allah (SWT) gather us on the Day of Judgment with the group who remember Allah (SWT), Zaakireen . May we rise with those, who went to sleep doing Zikr Allah and the dust of their graves remained in the state of remembrance of Allah (SWT). May we rise with those people who did Zikr Allah, Aameen.

****

QALB (THE HEART)

The Prophet (SAWS) said, "There is a lump of flesh in the human body on which the health of the human body depends. Hearken, that lump is the Qalb".

But Allah has endeared the faith to you and has beautified it in your hearts. (49:7)

Lo! The hearing and the sight and the heart of each of these will be questioned. (17:36)

And they have hearts wherewith to perceive. (22:46)

Those are they whose hearts Allah has proven into piety. (49:3)

Lo! Therein truly is a reminder for him who has a heart. (50:37)

*****

it. So, why does the Sheikh bother with this tedious task? It is not that he enjoys the inconvenience, but he is doing it for Allah (SWT)'s sake. The Sheikh does not do as a favor upon someone but it is to please Allah (SWT). We the seekers, however, feel immensely grateful towards our spiritual teacher and so we should. The teacher is doing it for his Allah (SWT) and not to appropriate gifts from his followers. Think about it, one who is trying to help you out in your hereafter, in whose company even a few moments means reformation of your hereafter, would he really be looking for worldly gains and few meaningless pennies, as return? What we do for our Sheikh is for our own satisfaction.

Sitting here, on the pulpit of the mosque, in front of many acquaintances, I say that many a gifts that are forwarded to me; I never try to find out who they are from. As a human being I don't want to end up, favoring one over the other, for their gifts. Some come with a gift of clothes or a pair of shoes or a turban. Some, even, write their names on the slip with the present, but I have asked my helpers to remove the slip off the gifts, when they are forwarded to me. Some come up with expensive gifts; while there are others who can't afford to give anything. If I started to keep a track of who is giving what, it would be natural to pay more attention to those who give the presents. What about the poor man who cannot afford to give any presents? Isn't it just better not to know? It is not for me, to discriminate amongst people, by what they are bringing. I see it this way, whoever gave, gave it to his Allah (SWT). Whatever has come my way, it has been forwarded to me by my Allah (SWT). I am not dependant on the people for my sustenance. To me, the poor, the destitute, the illiterate who is seeking purification of the heart is as much a student, and as precious, as the scholar or a well established person, who comes to me for the same reasons.

It has never occurred to me to give less spiritual attention to some or more, to others. These Barkaat (Blessings) are from Allah (SWT) and the Prophet . We were passed on, these Blessings by our spiritual teachers, and we, in turn, pass them on to the spiritual seekers. This is our job. How much we have, we dole it out and keep nothing back. It is up to each person that how much of these Blessings, they retain. It is according to the capacity and condition of their vessels; broken or perforated, upright or tilted. We are very fortunate that even, in this day and age, Allah (SWT) has made it possible, to have access to people who distribute the true Barkaat-e-Nabuwat, and we have retained it, according to our capacity.

It is not proper, to come to Darul Irfan for a couple of days at the Annual Ijtemah, do Zikr Allah and then return home, to forget about it. Another practice I want to talk about which has become a norm now. On the last day of the Annual Ijtimah (the day of Dua), a large number of people travel to Darul Irfan, to take part in Dua. It is a practice that has been picked up from the Tableeghi Jamat, where the followers think that if they haven't been able to take time out, then at least join the congregation on the day of Dua. Act of Dua is undeniably providential but only gives dividends when it is addressed to Allah (SWT). If by virtue of giving heartrending oration and stirring poetry, one's intention is to gather praise and to see how many can be reduced to tears, then that is not really making Dua. اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ Dua is the heart of worship and the end of it. But this end is only achieved, when it is Allah (SWT), who is being beseeched and from whom rewards are expected. If the purpose is to gather praise from the audience, then they are the people who are being worshiped.

Those participating in the Dua of Annual Ijtimah, will get the Blessings due towards them, but not equal to the those who labored to attain Nearness of Allah (SWT), for the forty days. Don't bank on reaping rewards of Annual Ijtimah, by just turning up on the day of Dua; the rewards will only be reaped by those, who worked hard, towards it. Feelings

Remembrance of the Heart

Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

Continued...

Hazrat ji further said that Allah (SWT) never deprives a person if he sincerely wants His Nearness; it is the seeker's earnest desire, that Allah (SWT) answers, and thus the wonders happen, not by you and me. Lord knows only that for how long the person had been dead,but during his life he had searched, hard and far, for a person who can give him the feelings of Nearness to Allah (SWT). Allah (SWT) finally replied to his yearnings by putting his grave in our path and putting it in the heart of Hazrat ji to help him. Hazrat ji (Rahmet Ullah Alae) concentrated and enlightened first his Lataif (Subtleties) then made his spirit perform the Muraqabah of Ahadiat, Maaiat, Akrabiat. It is Allah (SWT)'s Blessing, whomever, He wishes to confer on, but He never turns away an honest seeker.

In summary, the directive of Zikr Allah is absolute and its parameters are given in the Quran. Performing Zikr Allah is a must but at the same time Prophet Muhammad has not bound us to any particular method. Allah (SWT) has, however, laid down some rules in the Quran: Do not create noise, don't make disturbance in the Mosques(the places of worship) in the name of Zikr Allah, do it silently, do it keeping in mind the reverence of Allah (SWT), do it in hope of achieving His grace, do it round the clock. We do not say that those who perform Zikr Allah in some other way, besides ours, are wrong. They are responsible for their ways, as long as it is kept in mind that the method does not require a fixed time of the day, a decided place or a set technique. However, our elders have come up with what is possibly the best method of doing Zikr Allah, and our way of doing it is, what we and the elders have gathered from these given parameters. In fact, a large number of scholars have taken up this method and do Zikr Allah in this way.

How did the Companions of the Prophet become Zaakir(spiritually enlightened)? The Quran says about them ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (AL-Zamar:23). All it took was one glance from the Prophet and each body cell, from the skin to the inner most sanctum of the heart, became enlightened. Allah (SWT) himself is bearing witness to the fact that each body cell of the Prophet's Companions was constantly in the state of remembrance of Allah (SWT). Those who raise objections on the authenticity of our method of Zikr Allah; it is for them to think and come out with a way that is in accordance with the outline set in the Quran, for Zikr Allah. We are open to their suggestions as per the method they discern from the parameters set in the Quran. They will come round to this very technique.

Zikr Allah isn't just a ritual. It takes a lot of toiling before the fruits are borne. A great deal of effort is invested in each and every individual to cleanse their hearts. The role of the Sheikh is much like that of a launderer, who cleans everyone's clothes, no matter how big or small, the stains maybe. He concentrates on the seeker's heart to cleanse and purify it. It is not an easy task, as the dirt from the seeker's clothes (heart) settles on his own clothes, but the Sheikh nevertheless puts up with it. The higher the stations of the Sheikh, the more painful it is for him to bear

Muhammad Khorasani and Abu Hanifah, and the scholars of Hadith, Hãkam and Abu Na'eem. It is also listed in outstanding works on Islamic *Fiqh* like *Behr ar-Raiq*, *Fatãwa-e Shami*, *Fatãwa-e Qinia* and *Khasã'is al-Kûbra*. In the light of all this, the strictly personal whim of the author of *Jawahir al-Qurãn* must pale into total oblivion.

Prophets Receive Revelations during Sleep

> Said Prophet Ibrahim-A.S: *"O my dear son, I have seen in a dream that I must sacrifice you. So look, what do you think?" He said, "O my father! Do what you are commanded."* (37: 102)
>
> Normally the Prophet-(SAWS). was not awakened, until he would himself get up because we never knew what was being revealed to him in his sleep. (***Fatah al-Bari***, vol: I, p: 306)

Ibn-e Kathir and al-Bukhari quote Ibn-e Abi Umair, an eminent Tab'ai: "The dreams of the Prophets are indeed revelations."

Writes Allama Sohaili:

> The angels came to the Prophet-(SAWS). at night while he was asleep in a state that his eyes were closed without having an effect on the consciousness of his heart. This is true for all the Prophets. (***Raudh al-Anf***, vol: I, p: 343)

According to *Fatah al-Bari* (vol: I, p: 307):

> Says Khitabi, that a perpetual consciousness was bestowed on the Prophet's-(SAWS). *Qalb* so that he could remember what was revealed to him during sleep.

Abu Hurai'rah quotes the Prophet-(SAWS).: "While asleep, I saw that I was wearing golden bangles. I felt deeply concerned and was inspired to blow them off." (***Fatah al-Bari***, vol: VI, p: 408)

States Ibn-e Abbas, "The dreams of Prophets are revelations; they receive revelations both in sleep and while awake." (***Tafsir Ibn-e Kathir***, vol: III, p: 468, 23)

Note: The categorical injunction of the *Qurãn* bears testimony to Prophet Isma'il's belief that the dreams of Prophets were revelation. The same belief was held by the Prophet's-(SAWS). Companions as given in the Hadith. Again this was also the belief of their associates and the renowned Muslim jurists; rather, of the entire *Ummah* as implied by Allama Sohaili in his *Raudh al-Anf*, referred to above.

Question: The Prophet-(SAWS). missed his morning *Salah* in the *Lail at-T'aris* (the Night of the Rest). If the hearts of the Prophets were perpetually conscious and awake, he would have discerned the time of *Salah* and the sunrise.

Answers:

1) The sun is seen by the physical eye and not by the heart. Due to sleep, the function of the physical eye was suspended. The question, therefore, is absurd.

2) During the state of absorption, the heart gets deeply preoccupied with the Divine lights and glories and is unmindful of everything else.

Question: In the Hadith under reference, the reason for missing the morning *Salah* by the Prophet-(SAWS). and his Companions is said to be sleep and not absorption.

Answer: To argue about the affected, on the basis of effects, is incorrect. The omission of *Salah* is an effect and it is possible that the Prophet-(SAWS). was affected as a result of his absorption, a likelihood supported by other Hadith, while the Companions were affected by their sleep. The fact that absorption has not been mentioned in the said Hadith does not, in any way, imply that the Prophet's-(SAWS). sleep caused the omission because any omission due to sleep, according to Hadith is an act of the devil. Since the Prophet-(SAWS). had ALLAH's protection from the devil's influence, his sleep causing the omission is out of the question. Then there is the principle that any assertion on which a categorical injunction in the *Qurãn* is not available does not, *per se*, amount to its opposition.

Continued....

performed his ablution and went to the mosque. The call to prayer was given, the Prophet-(SAWS). lay down on his side and went to sleep which was evident from his snoring; and then he got up and offered his prayers without renewing his ablution. Hammãd continues that the Prophet-(SAWS). is not like others in this matter. Imam Muhammad agrees and reiterates the Hadith, "My eyes sleep but not my heart." In fine, the Prophet-(SAWS). is unlike others, who must renew their ablution, as a matter of obligation, should they similarly sleep. This is the true belief as expounded by Imam Abu Hanifah.

These excerpts establish that all the scholars of Hadith and *Fiqh*, in particular Imam Abu Hanifah, hold that the Prophet's-(SAWS). ablution is not invalidated by sleep.

Discussing the subject, the author of *Jawahir al-Qurãn* (vol: I, p: 123-124) acknowledges this verdict of the honourable scholars of Hadith but adds at p: 125, that it is not a matter of law because the Prophet-(SAWS). had in any case slept during *Lail at-T'aris*. It is strange that he acknowledges the consensus of the scholars of Hadith in one breath, and falsifies it in the other; how deplorable indeed is his egotism! In support of his unscrupulous opinion, he quotes Maulana Hussain Ali as having said that the narrators of this Hadith had suffered a difference of opinion. But the question is: Has even one of them said anything contrary to this well established belief? If so, it should have been quoted. The age-old principle is that, in case of any difference in the wording of a narration, the common factor is taken into account, which in this particular case is that the sleep of the Prophet-(SAWS). does not interrupt his ablution. The wording differs only with regard to the timings of sleep and not the point at issue, and as such provides no support to the author's opinion.

His comment (p: 125), of course, cannot overrule the consensus of the majority of the scholars of Hadith. As for the reference to scholars of Hadith. As for the reference to *Lail at-T'aris* is concerned, all the learned scholars of Hadith and jurists have amply clarified the point, i.e. observation of the sun is the function of the eye, not of the heart. The latter observes subtleties; besides, the possibility of complete absorption unto ALLAH cannot be ruled out. The irony is that the author professes on the one hand to be *Hanafi* (A follower of Imam Abu Hanifah's School of Thought), and on the other hand a *Sheikh al-Qurãn*, despite discarding the Prophet's-(SAWS). saying as well as the consensus of the scholars of Hadith and jurists of the standing of Imam Hammãd, Ibrahim, Muhammad and Abu Hanifah. This daring conduct of the author may be further viewed in the light of the narration by one of the most learned Companions, Abdullah bin Abbas:

> The Prophet-(SAWS). was immune from any unconscious breaking of wind. Hadhrat A'ishah asserts that the Prophet's-(SAWS). heart was never inattentive during sleep and as such his ablution was not disturbed. This is one of the endowed attributes of all the Prophets and peculiar to the Prophet's-(SAWS). heart and as such, it facilitated his perpetual attention to Divine inspiration. (**Abu Daud**, vol: I, p: 27; and ***Bazl al-Majhud Sharah Abu Daud***, vol: I, p: 125)

The Hadith, "My eyes sleep, not my heart" has been quoted in al-Bukhari vol: I, p: 22, 97, 119 and 254 as well as al-Muslim. Besides, eight narrations have been listed alone in *Khasã'is al-Kûbra* (vol: I, p: 172). The majority of Muslims are unanimous that sleep is confined to the eyes and not to the hearts of Prophets. The Prophet-(SAWS). communicated this truth to his Companions as proven by the narrations of Hadhrat A'ishah, Ibn-e Abbas, Anas bin Malik, Abu Hurai'rah, Imam Hassan Basri, Bukhari, Muslim, Nowavi, Sayuti, Ayyadh, Ata Muhammad Khorasani and Abu Hanifah, and

STAGES OF THE PATH

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

Chapter-VIII

Preliminary Stages

As soon as the *Lataif* of a seeker are illuminated and he develops a reliable capacity, an accomplished Sheikh conducts him through the Stages of the Path in the following manner. First, he is put through a stage of absorption and familiarity; then, the Triple Meditations (*Ahadiyyat*, *Ma'iyyat* and *Aqrabiyyat*), followed by the Triple Circles of Love, meditation of *az-Zahir, wäl-Batin* (the two attributive names of ALLAH), a stroll of the *Ka'bah*, two *rak'ãt* of *Salah* and Recitation of the *Qurãn* therein. Thereafter is the stage of *Fana fir-Rasul* (a spiritual union with the Prophet(SAWS).

Reality of Absorption

Absorption is a state which can truly be felt by one undergoing the experience. Suffice it to say that it is a state in which the physical eyes are closed but the *Qalb* is fully awake and conscious. One continues to hear and any interruption in the ablution ('*wudhu*') can be felt.

There is, however, a great difference between the absorption of the Prophets and that of the *aulia*. In the case of the former, it is perfect and does not cause any interference in their ablution, while the latter is not so because of the intervention of sleep. Allama Shami in his *Durr-e Mukhtar* (vol: I, p: 105) concludes:

> The consensus of the *Ummah* is that the Prophet(SAWS) is at par with his followers as far as interruption of ablution is concerned except during his sleep, for it has been clearly stated in Hadith:
>
> "My eyes sleep but not my heart."

Prophet's(SAWS) Ablution Not Nullified by Sleep

The Muslim jurists and the scholars of Hadith are unanimous in asserting that the ablution of the Prophets(A.S.) is not interrupted by sleep: Writes, Qadhi Ayyadh in his *Behr ar-Raiq* (p: 39) and *Shifa* (p: 281):

> The ablution of anyone who sleeps while resting on something is nullified but not that of the Prophet(SAWS). The author of *Fatãwa-e Qinia* explains that non-annulment of ablution is a peculiarity of the Holy Prophet(SAWS) and this is what all the scholars of Hadith and Muslim jurists firmly believe in.

The author of *Fatãwa-e Qinia* goes on:

> Imam Tahavi in his *Mushkil al-Athar* and Imam Baghavi in his *Sharah as-Sunnah* assert that the Prophet's(SAWS) ablution is not nullified by sleep; Imam Muhammad narrates with reference to Imam Abu Hanifah that one day the Prophet(SAWS) slept on his side. As he rose up, he offered his prayers without renewing his ablution and said, "Sleep is confined to my eyes, it does not affect the consciousness of my heart." This is one of the peculiarities of the Prophet(SAWS).

Writes Imam Muhammad in his *Kitãb al-Athãr* (p: 94):

> Hammãd relates with reference to Ibrahim that the Prophet(SAWS) one day

September 2016
Ziqad / ZilHajj1437H

MONTHLY
Al-Murshid

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَكَرَنِیْ وَ تَحَرَّكَتْ بِیْ شَفَتَاهُ...
(رواہ البخاری)

Narrated by Abi Huraira (RAU) that the Prophet (SAWS) said; Allah (SWT) says: "I am with My slave when he remembers Me and opens his lips" (for remembrance/Zikr)

The essence of the inner knowledge is this; that I am nothing, He (SWT) is the Ultimate (authority)of whatever is there (Page No. 11)

SHEIKH-UL-MUKARRAM AMEER MUHAMMAD AKRAM AWAN (MZA)

The mosque in Urus Martan is a smaller version of the Heart of Chechnya Mosque in the center of Grozny.

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیوویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255